هفت روزہ
خدام الدین لاہور
بانی
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۵ر محرم الحرام ۱۴۰۳ھ
۲۲ر اکتوبر ۱۹۸۲ء
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور
ہدیہ
دو روپے

احادیث الرسولؐ

ترجمہ: حضرت لاہوریؒ

عن ابی ھریرۃؓ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ دَعَا النَّبِیُّ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُرَیْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ یَا بَنِیْ كَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ مُرَّۃَ بْنِ كَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا فَاطِمَۃُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہا جب وانذر عشیرتک الاقربین والی آیت نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واصحابہ وسلم نے قریش کو بلایا پھر اکٹھے ہوگئے آپؐ نے بلانے میں تعمیم بھی فرمائی اور تخصیص بھی کی آپ بنی کعب ابن لوئی کو! بچا لو اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے، اے بنی مرۃ بن کعب! بچا لو اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے اور بنی عبد شمس! بچا لو اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ کی آگ سے، اے بنی عبد مناف بچا لو اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے، اے بنی ہاشم بچالو اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے، اے بنی عبد المطلب بچا لو اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے، اے فاطمہ بچالے تو اپنی جان کو دوزخ کی آگ سے بیٹی تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانے کا مالک نہیں ہوں سوائے اس کے کہ تمہیں میرے ساتھ رشتہ داری ہے قریب ہے کہ میں اسے اس کی تری کے ساتھ تر رکھوں گا۔

عَنْ حُذَیْفَۃَ رضؓ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَیْئًا یَكُوْنُ فِیْ مَقَامِهٖ ذَالِكَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ وَنَسِیَهٗ مَنْ نَسِیَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِیْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَیَكُوْنُ مِنْهُ الشَّیْءُ قَدْ نَسِیْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا یَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ عَرَفَهٗ۔ (متفق علیہ)

حذیفہ رضؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واصحابہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا۔ اس جگہ کھڑے ہو کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، سب کچھ بیان فرما دیا جس نے اسے یاد رکھا تو یاد رکھا اور جس نے اسے بھلا دیا اُس نے بھلا دیا میرے یہ ساتھی اسے جانتے ہیں البتہ مجھے کوئی چیز اس وعظ کی بھول جاتی ہے تو جب وہ واقعہ سامنے آتا ہے پھر مجھے وہ بھولی ہوئی بات یاد آ جاتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص کسی کا چہرہ سے غیر حاضر ہونے کی صورت میں یاد رکھتا ہے پھر جب اسے دیکھتا ہے تو اسے

خُدّامُ الدین

جلد ۲۸ • شمارہ ۱۶

رئیس الادارہ :—
شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہٗ
مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
محمد سعید الرحمٰن علوی • ظہیر میر

زر سالانہ : ۱۰۰ روپیہ
ششماہی :— ۵۰ روپے
سہ ماہی : ۳۰ روپے
فی پرچہ : دو روپے

گذشتہ سال امتِ مسلمہ کے لئے آزمائش اور کٹھن مصائب کا تھا۔ محرم الحرام کی ابتدا کے ساتھ ہی نیا اسلامی سال بھی شروع ہوچکا ہے۔ اللہ کرے یہ سال امتِ مسلمہ کے لئے باعث رحمت اور انسانیت کے لئے باعث خیر ہو ——— کچھ دنوں میں سرکاری افسران ملک بھر کے مذہبی رہنماؤں کو بلا کر اتحاد کے لئے رسمی اجلاس منعقد کریں گے اگر قائدین کی نیتیں درست ہوں، تو یقیناً مقتدیوں کی خیر ہوتی ہے ——— مسلمانانِ عالم کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی قائد اور رہنما اچھے ملے انہوں نے ترقی کی، اور جب راہبروں کے بھیس میں راہزن آگئے ——— تو مسلمانوں کا عروج زوال میں بدل گیا۔ اللہ رب العزت ہمیں دیانتدار اور دیندار حکمران نصیب فرمائے۔ آمین یا الہٰ العالمین!

۱۴ اکتوبر ۶۴۴ء / ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت
محدث عصر شیخ کبیر، قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا انتقال ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء / ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ
۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء قائد ملت لیاقت علی خاں کی شہادت
۱۹ اکتوبر ۱۸۰۵ء فاتح قادیاں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی وفات
۲ محرم ۷ھ غزوۂ خیبر
۴ محرم ۲۴ھ حضرت عثمان غنی رضؓ کا آغاز خلافت
۲۳ اکتوبر ۱۷۷۲ء وفات احمد شاہ ابدالی

عفا اللہ عنہٗ
احقر محمد اجمل قادری
مدیر قاسم العلوم
شیرانوالہ دروازہ
لاہور

مجلسِ ذکر

ذکر اللہ کی برکات

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد؛ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی مثال جو اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی مثال ہے یعنی وہ شخص جو ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے اصل جینا اس کا جینا ہے اور جو یادِ الٰہی سے غافل رہتا ہے وہ زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے کیونکہ اس کی زندگی کا مقصد فوت ہوگیا۔ وہ دل جس میں اللہ کے سوا کسی اور کا بسیرا ہو اور وہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کے خوف سے لرزتا ہو یا کسی اور کی محبت میں تڑپتا ہو اس کی مثال اس ویران گھر کی سی ہے جس میں کسی کی رہائش نہ ہو اور وہاں کیڑوں مکوڑوں، سانپوں اور بچھوؤں نے اپنے بل بنا لیے ہوں اور انسان کی زندگی بھی اسی وقت تک ہے جب تک وہ زندہ ہے جب دل کی حرکت رک گئی تو زندگی ختم ہوگئی۔ ؎

مجھے ڈر ہے دلِ زندہ کہیں تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

دل کی زندگی اور اطمینان یادِ الٰہی کے سوا کہیں نہیں مل سکتا الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب (آگاہ رہو کہ یادِ الٰہی میں ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے) ذکر کے مختلف طریقے ہیں اسلام نے عبادت کی جو صورتیں متعین کی ہیں وہ سب کی سب یادِ الٰہی کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔ ہر عبادت کا مقصد یہی ہے کہ انسان وحدہٗ لاشریک سے اپنا تعلق جوڑے اور خدا تعالیٰ کو بندگی اور عبادت سے راضی کرے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

"اللہ تعالیٰ کو عبادت سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت سے، اور مخلوق کو خدمت سے راضی کرو"۔ — بلاشبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان چند الفاظ میں پورے دین کا خلاصہ بیان فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ اے پیغمبرؐ ان لوگوں سے کہیے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اطاعت کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔

اور کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مقبول نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے اپنے دوست و اقارب، بیوی بچوں، مال و دولت اور خود اپنی جان سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے محبت نہ ہو۔ اور محبت تقاضا کرتی ہے محبوب کی اتباع، فرمانبرداری اور پیروی کا۔ اس لیے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور سنت کی پیروی کی جائے۔ آج کے وہ نام نہاد مذہبی پیشوا جو سنتِ نبوی تو ایک طرف دینی فرائض بھی ادا نہیں کرتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کا سبق دینے کے بجائے شعبدہ بازیوں سے متاثر کرکے گمراہ کرتے ہیں کیا وہ عشقِ رسولؐ کی برکات سے فیض یاب ہو سکتے ہیں اور کیا ایسا تو نہیں کہ کل قیامت کے روز انہیں دربارِ الٰہی میں مجرموں کی حیثیت سے لایا جائے اور ان کے نامۂ اعمال میں یہ درج ہو کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خلقِ خدا کو دین کے نام پر لوٹا اور خدا سے دور رکھا۔ پھر کیا اس وقت وہ خدا و رسول کے غصہ اور ناراضگی سے بچ سکیں گے۔؟ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اہلِ حق کے ساتھ رکھے۔ انہی کے ساتھ جئیں اور انہی کی رفاقت میں موت آئے اور آخرت میں حشر انہی کے ساتھ ہو۔ جو آدمی جن لوگوں سے محبت رکھے گا اور جس گروہ کے ساتھ اس کا تعلق ہوگا قیامت کے روز انہی میں اٹھایا جائے گا۔

(باقی ص ۲۴ پر)

خطبہ جمعہ

اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جان کی بازی لگا دینا مومن کی سب سے بڑی آرزو ہوا کرتی ہے

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۝ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۝

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مرا ہوا نہ کہا کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝

اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور ان کے نقصانوں سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو

اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْہُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ (البقرہ)

وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی، ناموسِ اسلام کے تحفظ اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جان تک کی بازی لگا دینا ایک سچے مومن کی سب سے بڑی خواہش اور زندگی کی بہترین آرزو ہوا کرتی ہے۔ راہِ حق میں پریشانیوں اور مصائب و مشکلات کی آندھیاں شوقِ مومن کے لیے بلند سے بلند تر فضاؤں میں پرواز کا سامان بن جایا کرتی ہیں۔ مخالف طوفانوں کی تندی و تیزی راہروانِ حق و صداقت کو آج تک کسی بھی موڑ پر نہیں روک سکیں۔ علامہ اقبالؒ نے مومن کو عقاب کا خطاب دے کر کہا تھا ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

شوق و یقین کی یہی وہ بلند پرواز تھی جو نواسۂ رسول نوجوانانِ بہشت کے سردار امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لختِ جگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ سے مکہ اور مکہ سے شہادت گہہ کربلا تک لے آئی۔ راستے میں دوستوں اور خیرخواہوں نے مصلحت اور رخصت کے تمام زاویے حضرت حسین رضؓ کے سامنے پیش کئے کہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار فرما کر اس سفر کا ارادہ ترک فرما دیجئے۔ لیکن وہاں دینِ اسلام اور حق و صداقت کا ایسا نازک معاملہ درپیش تھا کہ جس میں مصلحت کوشی کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ عہدِ صدیقی کے وہ واقعات حضرت امام حسین رضؓ کے سامنے تھے جب مدعیانِ نبوتِ کاذبہ اور منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد بالسیف کیا گیا اور جانشینِ پیغمبر خلیفہ راشد حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی زکوٰۃ کی ایک رسی دینے سے بھی منکر ہوگا تو میں اس سے بھی جہاد کروں گا خواہ مجھے اکیلے ہی لڑنا پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ اس وقت اگر دین کے بارے میں تھوڑی سی بھی نرمی اختیار فرما لیتے اور احکامِ الٰہی پر لوگوں کی رائے اور خواہشات کا زیادہ احترام کرتے تو آج تک دنیا میں دینِ اسلام کا نام تک بدل دیا گیا ہوتا۔ کیونکہ اپنے اصولوں کو تبدیل کر دینے والی اقوام و ملل زیادہ دیر تک اپنا وجود اور اپنا دین باقی رکھنے کی صلاحیتوں سے تہی دامن ہو جایا کرتی ہیں۔

جس طرح جانشینِ رسول حضرت ابوبکرؓ نے عوام کو خوش کرنے کے لیے دین کے کسی اصول کی قربانی برداشت نہیں کی تھی نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح دینی اصولوں کا تحفظ کرنے، سچی بات کہنے اور دنیا پرستوں کی تائید نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور تادمِ آخر اس پر قائم رہے یزیدی فوجوں کی تلواروں نے اگرچہ سرزمینِ کربلا کو حنا نوادۂ رسولؐ کے بے گناہ خون سے رنگ دیا تھا تاہم وہ وفا شعار حق پرستوں کی گردنیں ناانصافی اور ظلم و استبداد کے سامنے جھکا لینے میں ہمیشہ کی طرح ناکام رہیں۔

ہری ہے شاخِ تمنا ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرِ میداں مگر جھکی تو نہیں

پس یہی وہ سبق ہے جو شہادت امام مظلوم امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت۔ سیدنا حضرت امام حسین اور دوسرے شہدائے اسلام نے امتِ مسلمہ کو دیا ہے مگر صد افسوس کہ اس معرکہ کربلا میں امت کے لیے جو نصیحت پائی جاتی ہے اسے سمجھنے اور پا لینے کے بجائے آج رسومات اور غیر حقیقی ظنیات و توہمات کا رواج ہے۔

بلاشبہ حضرت امام حسین سید الشہداء اور سید الشباب اہل الجنۃ ہیں جنہوں نے ناموسِ اسلام کے تحفظ اور حق کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر یزید کی اس قوت و جبروت کے سامنے نہ جھکے۔ جسے آپ ناجائز اور امت پر ظلم و زیادتی سمجھتے تھے وہ اپنے چند جاں نثاروں کی معیّت میں یزیدی فوج کے مقابلے میں بنیان مرصوص بن گئے۔ حق اور باطل کی معرکہ آرائی ازل سے جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گی۔ جس طرح دنیا میں نیکی اور بدی، خیر اور شر، دن اور رات، لازم و ملزوم ہیں اور بدی یا شر کو لوگوں میں بے پناہ مقبول ہوتے ہوئے بھی نیکی اور خیر کا وجود مٹا دینے کی ہمت نہیں ایسے ہی طاغوتی قوتیں اپنی تمام تر عیاریاں، مکاریاں اور ریشہ دوانیاں بروئے کار لا کر بھی حق کو مٹا نہیں سکتیں حق اور باطل میں معرکہ آرائی جاری رہے گی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ان معرکہ آرائیوں میں اہلِ حق ہمیشہ نتائج سے بے پروا ہو کر باطل سے نبرد آزما ہوتے رہے ہیں۔ مال و جائیداد اعزہ و اقارب ملک و سلطنت کی قربانی ان کے حوصلوں اور عزائم کو جلا بخشتی ہے شوق و عشقِ محبوبِ حقیقی ان منازل اور امتحان گاہوں سے جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے ان کا جذبۂ قربانی توں توں پھلتا پھولتا رہتا ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

کے بعد وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ کی لافانی اور سچی نوید ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں قربان گاہوں میں لے جاتی ہے جب وہ راہِ حق میں جان تک بازی لگا دیتے ہیں پھر بھی یہی کہتے ہیں ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان مقبول اور برگزیدہ بندوں کی پیروی کی توفیق بخشے اور ان کی حیات آفریں تعلیمات کو مسخ کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

"بدعت"

حضرت مجدد الف ثانی کی نظر میں

سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین کا دین اور متابعت اختیار کریں۔ روشن سنت کو بجا لائیں اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت سپیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کی دوا ہے اور نہ کسی دکھ کی شفا ہے کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی یا تو سنت کی رافع ہو گی یا اس سے ساکت ہو گی ساکت ہونے کی صورت میں ضرور سنت پر زائد ہو گی اور سنت پر زیادتی گویا سنت کو نسخ کرتا ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی اور اس میں کسی قسم کی خیر نہیں اور نہ کوئی حسن ہے۔

ہائے افسوس! ان لوگوں نے دینِ کامل اور اسلام پسندیدہ میں جبکہ نعمت تمام ہو چکی ہے بدعت محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح فیصلہ

(بقیہ ۱۲ پر)

صحابیت

حکیم الاسلام
حضرت مولانا قاری
محمد طیب مدظلہٗ
مہتمم دار العلوم دیوبند

آفتابِ نبوّت سے استفادہ کے مراتب

پھر آفتاب ہی کی اس تمثیل سے آفتابِ نبوّت کی تاثیر و تربیّت اور تعلیم و تمرین سے امّت کے استفادہ اور منوّر ہونے کے متفاوت درجات و مراتب بھی کھل جاتے ہیں۔ جن کا معیار آفتاب سے قرب اور بُعد ہے یعنی جو اس سے قریب تر ہے۔ وہ اتنا ہی نورانی تر اور متاثر تر ہے اور جتنا آفتاب سے دور ہے اتنا ہی اس فیض سے کم مستفید ہے۔

درجۂ صحابیّت

مثلاً طلوعِ آفتاب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ اور سب سے پہلے آفتاب کے آثار سے متاثر ہوتی ہے وہ فضا ہے وہ چونکہ خلقتاً اپنی ذات سے شفاف ہے اور ادھر آفتاب کے سامنے بلاواسطہ حاضر ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس کے نور و حرارت کا اثر لیتی ہے۔ وہ اس درجہ منوّر ہوتی ہے کہ باوجود اس کے چمک اٹھنے کے خود اس کی چمک آنکھوں کو نظر نہیں آتی۔ بلکہ آفتاب ہی کی دھوپ اور شعاعیں نظر پڑتی ہیں۔ اگر فضا میں نگاہ اٹھائی جائے تو فضا کا جو حصّہ بھی سامنے آئے گا اس میں سے آفتاب ہی دکھائی دے گا۔ خود فضا کی ہستی نظر نہ پڑیگی گویا وہ اس کے نور میں اس درجہ مستغرق اور فانی ہو جاتی ہے۔ کہ اس کا اپنا تنوّر کسی کی آنکھ میں نہیں آتا۔ بلکہ آفتاب اس میں سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ گویا بلاواسطہ دکھائی دے رہا ہے حالانکہ فضا اپنی بے حد وسعت کے ساتھ بیچ میں حائل ہے

ٹھیک یہی صورت روحانی آفتاب سے استفادہ کی بھی ہے کہ اس کے عالمگیر آثار سے متاثر تو سب ہوتے ہیں مگر سب سے زیادہ وہ طبقہ متاثر ہوتا ہے جو بلاواسطہ اس سے قریب تر ہو کر نور لیتا ہے اور وہ طبقہ صحابہ کرام کا طبقہ ہے جو فضا کی مانند ہے کہ زمین سے بالا تر ہے اور فلکِ شمس یعنی آسمانِ نبوّت سے فروتر ہے وہ فضا کی طرح خلقی طور پر خود شفاف ہے جو محض اس کے نور ہی کو دکھلا دینے کی نہیں بلکہ عینِ آفتاب کو دکھلانے کی کامل استعداد رکھتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آپؐ نے فرمایا کہ سارے نبیوں کے صحابہ میں میرے صحابہ منتخب کر لیے گئے یا جیسے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے دل شفاف تھے، ان کا علم گہرا تھا۔ ان میں تکلّفات نہ تھے۔ انہیں اقامتِ دین کے لیے پوری امت میں سے چُن لیا گیا تھا۔ ان کا نقشِ قدم واجب الاتباع ہے جس سے حضرات صحابہ کی کمال قابلیت کھلتی ہے جو انہیں انوارِ نبوت کو جذب کرنے کے لیے عطا ہوئی تھی۔

پس وہ فطری شفافی اور کمال قرب کے لحاظ سے بمنزلہ فضا کے ہوئے جو شفّاف ہے اور ساری دنیا کی نسبت سے آفتاب سے قریب تر بھی ہے کہ بلاواسطہ نورِ آفتاب جذب کرتی ہے پس انہوں نے ان شفاف سینوں سے اس درجہ آفتابِ نبوت کا نور و اثر قبول کیا کہ فضا کی طرح سرتاپا نور بن گئے اور جیسا کہ فضا، آفتاب سے متصل اور ملحق ہو کر اس درجہ منور ہو جاتی ہے کہ وہ خود نظر نہیں آتے۔ یعنی وہ خود اپنے کو نہیں دکھلاتی۔ بلکہ صرف آفتاب اور اس کی شعاعوں اور چمک دمک ہی کو نمایاں کرتی ہے۔ ایسے ہی صحابہ اپنی فطری قابلیتوں کی بنا پر اس درجہ پاک قلوب عمیق العلم، قلیل التکلّف اور بے غل و غش بنا دیے گئے تھے کہ گویا ان میں خود ان کی کوئی ذاتی خصوصیت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ صرف سننِ نبوی کے مجسم نمونے بن گئے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقیدہ و عمل کو اپنے عقیدہ و عمل کے ساتھ ضم کر کے انہیں معیارِ حق فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ سننِ نبوی اور سننِ صحابہ ایک ہی ہیں۔ جس سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ صحابہ کی دینی خصوصیات، خصوصیاتِ نبوی تھیں۔ چنانچہ امت کے بہتّر فرقوں کے بارے میں جب حضورؐ

سے یہ سوال کیا گیا کہ ان بہتّر میں ناجی فرقہ کون سا ہے۔ تو فرمایا۔ ما انا علیہ الیوم و اصحابی۔ جس پر آج کے دن میں اور میرے صحابہ ہیں۔

گویا اپنے عقیدہ و عمل کے ساتھ ان کے عقیدہ و عمل کو اس طرح ملا کر بتلایا کہ ان کے عقیدہ و عمل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ و عمل کی نوعیت ایک ثابت ہو گئی اور فرقوں کے حق و باطل ہونے کا معیار آپؐ نے خود اپنی ذات بابرکات اور حضرات صحابہ کو ٹھیرا دیا۔

صحابیّت بالاتر از تنقید

پھر جیسے فضا تک کوئی گندگی نہیں پہنچتی اور پہنچائی بھی جائے تو وہ لوٹ کر پہنچانے والے ہی پر گرتی ہے۔ فضا، اس سے گندی نہیں ہوتی۔ ایسے ہی حضرات صحابہ کا طبقہ جو روحانی فضا کی مانند ہے۔ امّت کی تنقیدوں سے بالاتر ہے۔ اگر ان کی شان میں کوئی طبقہ سب و شتم یا گستاخی یا سوءِ ادب یا جسارت و بے باکی یا ان پر اپنی تنقیدی تحقیر کی گندگی اچھالے گا۔ تو اس کی یہ ناپاکی اسی کی طرف لوٹ آئے گی۔ اس فضاءِ شفاف پر اس کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ بہرحال حضرات صحابہ فضاء قریب کی مانند ہیں کہ انہیں شفافی میں بھی آفتاب سے مناسبت ہے وہ آفتاب نبوّت سے نزدیک تر بھی ہیں، بلاواسطہ اس سے ملحق بھی ہیں۔ وہ زمین کی کدورتوں سے بالاتر بھی ہیں اور وہ آفتاب نبوّت کے نور میں فانی بھی ہیں کہ اس نور کی نمائش گاہ بن کر رہ گئے ہیں۔ جن میں اپنی خصوصیت بجز انفعال اور قبولِ حق کے دوسری نہیں رہ گئی تھی۔

پس صحابہؓ کی اس اعلیٰ ترین زندگی کا نورتین بھی ہے اور پیغمبر سے اقرب تر اور اشبہ تر بھی ہے۔ کہ اس نے نبوّت کی زندگی سے متصل رہ کر اس کی شعاعوں کا نور قبول کیا ہے۔ اس لیے یہ زندگی نہ صرف عزیمتوں کی زندگی اور اولوالعزمانہ زندگی ہے کہ ناجائزات کی آڑ لیے بغیر عمل کے اعلیٰ ترین حصّہ کو ہی اپنا لیا جائے اور نفس کی راحت طلبیوں کو خیرباد کہہ کر عملی مجاہدہ و ریاضت کو ہی زندگی بنا لیا جائے بلکہ یہ زندگی جامع بھی ہے جو کمال اعتدال لیے ہوئے ہے کہ ایک طرف نفس کشی بھی انتہائی اور ساتھ ہی ادبِ شریعت اور اتباع سنن نبویؐ بھی انتہائی اور ایک طرف طبعی جذبات بھی قائم اور دوسری طرف عقلی و داعی اور ملکیت بھی غالب اس کمال اعتدال و جامعیت کے ساتھ یہ زندگی صحابہ کے سوا اُمّت کے کسی طبقہ کو طبقاتی حیثیت سے نصیب نہیں۔ احاد و افرادِ اس زندگی کے حامل نظر پڑیں گے۔ جس میں شرف صحابیّت کے سوا سب کچھ ہو گا۔ لیکن طبقہ کا طبقہ ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہو اور ہمہ وقت اخلاص و معرفت کی حد کمال کو طے کیے ہوئے ہو۔ طبقۂ صحابہ کے سوا دوسرا نہیں جنہوں نے گھربار چھوڑ کر اور نفس کی خواہشات سے منہ موڑ کر صرف اور صرف رضائے حق کو اپنی زندگی بنایا۔ طبعی مرغوبات کو شرعی مطلوبات پر قربان کر دیا۔ موطن طبیعت سے ہجرت کر کے موطن شریعت میں آ کر بس گئے اور شرعی مرادوں کی خاطر نفس کی حیلہ جوئیوں اور راحت طلبیوں سے کنارہ کش ہو کر عزمِ صادق کے ساتھ ہمہ وقت مرضیات الٰہی اور سننِ نبوی کی پیروی میں مستغرق ہو گئے اور اسی کو اپنی زندگی بنا لیا۔ اس جامع اور جامع اضداد کا سب سے زیادہ نمایاں اور حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ وہ کلیتہً تارک الدنیا بھی تھے اور رہبانیت سے الگ بھی، دنیا اور دنیا کے جاہ و جلال، دھن، دولت، حکومت و سیاست، گھربار زمین جائیداد کے ہجوم میں بھی تھے۔ اور پھر ادائے حقوق میں بے لاگ بھی۔ یہ زن، زر، زمین ان کے تصرّف میں بھی تھی اور پھر قلباً ان سب چیزوں سے بے تعلق اور کنارہ کش بھی، درویش کامل بھی ہیں اور قبا شاہی بھی زیب تن ہے۔ حکمران بھی ہیں اور دلق گدائی بھی کندھوں پر ہے۔ ممالک بھی فتح کر رہے ہیں۔ اور فقیری کی خو بھی بدستور قائم ہے۔ ع

یوں بہم کس نے کیے ساغر و سنداں دونوں؟

انبیاء علیہم السلام کی یہی زندگی ہے کہ بشر بھی ہیں اور ملک بھی۔ نہ طبائع کو ترک کرتے ہیں نہ عقل و فراست کے تقاضوں سے ایک انچ اِدھر اُدھر ہوتے ہیں۔ خالص طبعی جذبات کی پیروی حیوان کا کام ہے اور طبعیات سے کلیتہً باہر رہ کر محض عقل کلی کی پیروی فرشتوں کا کام ہے لیکن طبعیات کو بحالہٖ قائم رکھ کر انہیں عقلی شعور کے ساتھ عقل کی ماتحتی میں انجام دینا اور حدود سے تجاوز نہ کرنا یہ انسان کا کام ہے

ہسپانیہ کا ایک جلیل القدر عالم

امام ابن حزم ظاہریؒ

جسے سیاست میں ناکامی نے ایک عظیم مصنّف اور مفکّر بنا دیا

تحریر: محترمہ ثروت صولت

تاریخ ہسپانیہ کے اسلامی دور میں جو عظیم ہستیاں ہوئی ہیں ان میں ابن حزمؒ کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ صرف ایک کثیر التصانیف مصنّف ہی نہیں تھے بلکہ ایک اجتہادی شان رکھنے والے مفکّر بھی تھے۔ ابن حزمؒ اگرچہ اندلس کے دور دراز ملک میں پیدا ہوئے اور انہوں نے عربی میں کتابیں لکھیں لیکن وہ نسلاً ایرانی تھے۔ ان کا نام علی تھا اور کنیت ابو محمد تھی لیکن وہ اپنے پردادا حزم بن غالب کی نسبت سے ابنِ حزم کے نام سے مشہور ہوئے۔

ابنِ حزم کے جدِّ اعلیٰ یزید فارسی مشہور صحابی یزید بن ابی سفیان (جو امیر معاویہؓ کے بھائی تھے اور اس لشکر کے قائد تھے جسے حضرت ابوبکرؓ نے اروفا کی طرف روانہ کیا تھا) آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ اس خاندان کے پہلے فرد ہیں۔ جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسلام لانے سے پہلے وہ عیسائی تھے۔ ابن حزم کے اجداد میں جو صاحب سب سے پہلے اندلس آئے وہ یزید فارسی کے پڑپوتے خلف بن معدان ہیں۔ اندلس آنے کے بعد انہوں نے مغربی اندلس کے قریہ منت لیشم میں سکونت اختیار کر لی جو موجودہ ہسپانیہ اور پرتگال کی سرحد پر ضلع لبلبہ میں واقع تھا۔ بعد میں ابن حزم کے بزرگ اگرچہ دار الخلافہ قرطبہ چلے گئے، جہاں وہ ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ لیکن قریہ منت لیشم سے ان کے خاندان کا تعلق آخر وقت تک قائم رہا۔

ابن حزم قرطبہ میں ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اندلس میں اموی خلافت قائم تھی اور حکومت کے سارے اختیارات حاجب محمد بن ابی عامر (۳۶۶ھ تا ۳۹۲ھ) کو حاصل تھے۔ جو تاریخ میں منصور کے نام سے مشہور ہوئے۔ منصور کے تخت اندلس کا اپنے عروج کی انتہا کو پہنچ چکا تھا شمال میں خلیج بسکے تک قرطبہ کی حکومت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور جنوب میں مراکش کا ایک بڑا حصّہ جس میں فاس کا ایک تاریخی شہر بھی شامل تھا اندلس کے زیرِ اقتدار آ چکا تھا۔ ابن حزمؒ کے والد اسی زمانے میں منصور کے وزیر تھے۔ ان کی وزارت منصور کے بعد ان کے لڑکے مظفر (۳۹۳ھ تا ۳۹۹ھ) کے عہد میں بھی برقرار رہی۔ والد کے اس قدر بلند منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے ابنِ حزمؒ کو بہترین تعلیم ملی اور علم حاصل کرنے کی زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل رہیں، بعد میں جب علمی مباحثوں کی وجہ سے علماء ان کے مخالف ہو گئے تھے تو ابنِ حزم ان کو یہ کہہ کر طعنہ دیا کرتے تھے کہ:

"میں نے تم لوگوں کی طرح چٹائی پر بیٹھ کر
اور دستِ سوال دراز کر کے علم نہیں حاصل
کیا ہے بلکہ قالینوں پر بیٹھ کر دادِ علم دی ہے"۔

لیکن ابن حزم کو یہ سکون و اطمینان زیادہ عرصہ حاصل نہیں رہا۔ بنی عامر کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے خلاف اموی خاندان والوں نے شورش کی اور نئے حاجب عبدالرحمٰن کو جو اپنے بھائی مظفر کے بعد اقتدار کی گدّی پر بیٹھا تھا، قتل کر دیا۔ قرطبہ میں وہ ہنگامے اور فساد ہوتے کہ اموی سلطنت کا ڈھانچہ ایک ہی جھونکے میں دھڑام سے گر گیا اور اندلس متعدد چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو گیا۔ بنو عامر کے اس زوال کے ساتھ ہی خاندان ابن حزم کو زوال آ گیا۔ ابنِ حزم کے والد کو وہ رتبہ حاصل نہیں رہا جو بنی عامر کے زمانے میں حاصل تھا۔ دو سال بعد ہنگاموں ہی کے زمانے میں ۴۰۲ھ میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان ہنگاموں میں ابن حزم کا شاندار محل جو قرطبہ کے مغربی محلے بلاطِ مغیث میں واقع تھا مسمار کر دیا گیا۔ ابن حزم کو قرطبہ چھوڑنا پڑا۔ اور وہ ۴۰۴ھ میں المریہ میں آباد ہو گئے۔ اس وقت ان

کی عمر صرف بیس سال تھی۔

یہ زمانہ بڑی افراتفری کا تھا۔ پورا ملک طوائف الملوکی اور انتشار کا شکار تھا۔ اس قرطبہ میں جہاں ڈھائی سو سال میں دس حکمران ہوئے تھے ۳۹۹ھ سے ۴۱۸ھ تک انیس سال کی مختصر مدّت میں نو حکمران یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور اتارے گئے۔ ملک کے دوسرے شہروں کا بھی یہی حال رہا۔ ہر بڑے شہر میں ایک مستقل حکومت قائم ہو گئی تھی۔ ابن حزم کا اس عرصے میں کئی شہروں سے تعلق رہا۔ وہ ۴۳۰ھ سے ۴۴۰ھ تک یعنی دس سال جزیرہ مجورکہ (جزائر بلیارک) میں بھی رہے۔ شروع میں انہوں نے سیاست میں بھی حصہ لیا اور کچھ مدّت قرطبہ میں وزیر بھی رہے، جنگ میں بھی شریک ہوئے، گرفتار بھی ہوتے۔ لیکن یہ زندگی ان کو راس نہ آئی اور غیر مستحکم سیاسی حالات نے ابن حزم کو سیاست سے کنارہ کشی پر مجبور کر دیا۔ ۴۱۴ھ کے بعد انہوں نے اپنی تمام توجہ تصنیف و تالیف اور اشاعتِ علوم پر صرف کر دی۔ ایک لحاظ سے یہ سیاسی تبدیلیاں ابن حزم کے لیے مفید ہی ثابت ہوئیں۔ کیونکہ اگر سیاسی حالات موافق ہوتے تو شاید ان کو سیاست چھوڑ کر قلم سنبھالنے کا بہت کم موقع ملتا اور اس طرح اندلس اپنے سب سے بڑے مصنف اور دنیائے اسلام ایک ذہین عالم اور مفکّر سے محروم ہو جاتی۔

ابن حزم نے تصنیف و تالیف کا آغاز غالباً ۴۱۸ھ سے کیا اور جس وقت ان کی عمر ۳۴ سال تھی۔ یہ سلسلہ ان کی وفات تک پوری قوت سے جاری رہا۔ اور ۳۸ سال کی مدّت میں انہوں نے تقریباً چار سو کتابیں اور کتابچے تصنیف کیے۔ جن کے اوراق کی تعداد اسّی ہزار بتائی جاتی ہے۔ اس کثیر نویسی کی دنیا میں کم مثالیں ملتی ہیں اور اسلامی تاریخ میں طبری، ابن جوزی اور سیوطی کے علاوہ اس میدان میں ان کا شاید کوئی حریف نہیں ہے۔ ابن حزم کی بیشتر تصانیف اب ناپید ہیں اور غالباً تمام کتابوں کے نام بھی محفوظ نہیں۔ لیکن ان کی مشہور کتابوں میں سے سوائے "حدود المنطق" کے تقریباً تمام کتابیں اب بھی موجود ہیں اور کئی زیور طبع سے آراستہ بھی ہو گئی ہیں۔

ابن حزم کا کتب خانہ بہت بڑا تھا جس میں ہر علم و فن کی کتابیں تھیں۔ مطالعہ کی اسی سہولت کی وجہ سے ان کے علم میں بڑی وسعت پیدا ہو گئی تھی۔ پھر حافظہ بھی غیر معمولی پایا تھا جو چیز ایک بار پڑھ لیتے تھے کبھی نہیں بھولتے تھے۔ فقہ، حدیث، تاریخ، علم کلام، ادب اور شاعری پر ان کی نظر خاص طور پر وسیع تھی۔ اور انہوں نے ان تمام موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ وہ حافظ قرآن بھی تھے۔ ان کی تصانیف کو جس وجہ سے امتیاز حاصل ہے وہ ان کی اجتہادی صلاحیت ہے وہ ہر عظیم انسان کی طرح تقلید سے آزاد تھے اور کسی چیز کو علم و دانش کی کسوٹی پر پرکھے بغیر قبول کرنے پر تیار نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں ندرت اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ ابن حزم شروع میں شافعیؒ تھے۔ پھر انہوں نے ظاہری مسلک اختیار کر لیا جو بغداد کے مشہور عالم ابوداؤد ظاہری کی طرف منسوب ہے وہ ظاہر کتاب و سنت پر عمل کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی نفقس ملے تو ان کا عمل اجماع پر ہوتا تھا، وہ تاویل کے مخالف تھے۔

ابن حزم کی تصانیف میں بہت اہم ہے۔ یہ فقہ شافعی کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ مصر کے مشہور عالم شیخ عزیزالدین بن عبدالسّلام کہتے تھے کہ "میں نے جتنا علم ابن حزم اور مغنی ابن قدامہ میں دیکھا، اتنا کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا یہ کتاب مصر میں چھپ گئی ہے۔

علامہ اقبال نے اپنی کتاب تشکیل الہیات میں لکھا ہے۔ کہ:۔

> "ابن خرم نے اس کتاب میں SENSE PERECEPEION پر مآخذ علم کی حیثیت سے زور دیا ہے اور اس طرح مشاہدہ اور تجربہ کا طریقہ نکالا۔"

منطق میں انہوں نے التقریب الحدود المنطق کے نام سے ایک معرکۃ الآرا کتاب لکھی تھی۔ جس میں انہوں نے ارسطو کی منطق پر سخت تنقید کی تھی۔

حضرت مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

علم و معرفت کا جہاں کوئی خزینہ نظر آیا، آپ نے اپنے دامن کو اس کے گوہر ہائے آب دار سے بھر لیا

حضرت مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جو عوام میں داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں۔ پنجاب میں تشریف لانے والے اولیاء کی اس مقدس جماعت کے رکنِ رکین تھے جس نے اس خطّہ کے لوگوں کو اس وقت توحید کا درس دیا جب یہاں ہر طرف شرک اور بت پرستی کی حکومت تھی، آپ کا اسم مبارک علی اور والد کا نام نامی عثمان تھا۔ نہایت نجیب الطرفین سیّد تھے اور حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں سے تھے، وطن ہجویر نامی ایک قریہ تھا جو غزنی کے قریب واقع تھا۔ اپنی جائے پیدائش کے متعلق آپ خود فرماتے ہیں کہ "میرے والد نے مجھے بتایا کہ میری پیدائش ہجویر میں ہوئی اللہ تعالیٰ اسے آفات و حوادث اور ظالم بادشاہوں کے ظلم سے محفوظ رکھے۔ (آفتاب ہجویر ص۱۸)

یہیں ۴۰۰ھ کے قریب آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ غزنی کے ممتاز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی والدہ نہایت عابدہ زاہدہ اور صاحب علم خاتون تھیں۔ آپ کے والد ماجد بھی نہایت متقی و پرہیزگار اور ذی علم بزرگ تھے اسی طرح آپ کے ماموں کا شمار بھی زہاد اور اہل اللہ میں ہوتا تھا۔ ولایت میں آپ کا پایہ اتنا اونچا تھا کہ بڑے بڑے علماء آپ کی قدر و منزلت کرتے اور آپ کی صحبت میں بیٹھنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ "تاج الاولیاء" کے لقب سے مشہور تھے۔

"سفینۃ الاولیاء" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ دارا شکوہ جب اپنے والد شاہجہان کے ساتھ افغانستان گیا تو مزار "تاج الاولیاء" پر بھی حاضر ہوا اور عقیدت کے پھول نذر کیے۔

تعلیم و تربیت

حضرت علی ہجویریؒ کو پرورش اور تعلیم و تربیت کے لیے جو پاکیزہ ماحول میسّر آیا آپ نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا ابتدائی تعلیم مکتب کے علاوہ اپنے والد ماجد سے بھی حاصل کی اس کے بعد قرآن مجید پڑھا۔ پھر اس عہد کے ممتاز اور باکمال علماء سے تفسیر، حدیث، فلسفہ اور منطق میں دسترس حاصل کی۔ آپ نے جس عہد میں آنکھ کھولی تھی وہ علم و فن کی قدردانی کے لحاظ سے غزنی کی تاریخ کا سنہرا دور تھا سلطان محمود غزنوی کی علم دوستی اور فن پروری کی وجہ سے دنیا کے گوشے گوشے سے ارباب فضل و کمال کھنچ کھنچ کر غزنی آ رہے تھے اور سلطان محمود کی سرپرستی میں علم و فضل کے دریا بہا رہے تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ کو ان یادگارِ زمانہ اہلِ کمال سے فیض اٹھانے کے بڑے مواقع ملے اور ان بزرگوں کی صحبت سے آپ نے پوری طرح کسب فیض کیا۔ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے غزنی کے باکمال علماء و فضلا کے علاوہ آپ نے دور دراز کے سفر اختیار کیے اور جہاں علم و معرفت کا کوئی خزینہ آپ کو نظر آیا آپ وہاں تشریف لے گئے اور اپنے دامن کو گوہر ہائے آبدار سے بھر لیا۔ آپ نے

جن اساتذہ سے فیض حاصل کیا ان میں ابوالعباسؒ، احمد بن محمد القصابؒ، شیخ ابوالقاسم عبدالکریمؒ، شیخ ابوالعباس احمد بن محمد الشقانیؒ، ابوسعید فضل اللہ بن محمد، شیخ ابوالقاسم بن علی الگرگانیؒ، ابوعبداللہ محمد بن علیؒ المعروف بالداستانی اور ابواحمد المظفر بن احمد بن محمدانؒ، بڑے پائے کے بزرگ فاضل لوگ تھے۔

آپ کے مرشد

یوں تو آپ کے اساتذہ میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو آسمانِ علم و فضل کا نجم درخشاں نہ ہو لیکن ان اربابِ کمال میں حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن ختلیؒ کا نام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے جو مشہور فاضل بزرگ حضرت شیخ ابوالحسن علی حضرمیؒ کے مرید تھے۔ حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن ختلی ملک شام کے باشندے تھے۔

رشد و ہدایت کی
جو قندیل
آپ نے روشن کی
آج بھی
تابناک ہے۔

نہایت سادہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے بہت کم گو اور کم خوراک بزرگ تھے۔ لباس بھی بہت سادہ استعمال کرتے تھے، درویش ہونے کے باوجود مخصوص گودڑی کو پسند نہیں کرتے تھے اظہار کرامت کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے ہاں اگر اس سے خلق اللہ کی ہدایت مقصود ہو تو کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ حدیث، تفسیر اور تصوف کے بہت بڑے عالم تھے۔ طویل عمر پاکر ۴۵۳ھ میں وفات پائی اور دمشق کے قریب بیت الجن نامی مقام میں مدفون ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیاء ص ۲۳۱)

حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن ختلیؒ کے روحانی کمالات اور علم و فضل سے متاثر ہو کر حضرت مخدوم سید علی ہجویریؒ نے ان کی بیعت کرلی اور عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں حاضر رہے تصوف کے بہت سے نکات آپ نے اپنے مرشد ہی سے حاصل کیے۔ مرشد بھی اپنے اس مرید کی سلامتیٔ طبع زہد و تقویٰ، فراست ایمانی اور علمی مرتبہ کی وجہ سے ان سے بڑی محبت کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً علمی نکات اور دین کے باریک مسائل انہیں سمجھاتے رہتے تھے۔ مرید و مرشد کے ارتباطِ باہمی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت شیخ نے وفات پائی تو ان کا سر حضرت علی ہجویریؒ کی گود میں تھا۔ انھوں نے خود یہ واقعہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "کشف المحجوب" میں بیان کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ "جس وقت حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ کا انتقال ہوا تو آپ کا سر میری گود میں تھا۔ اس وقت میرا دل سخت پریشان تھا جیسے ایک دوست کی جدائی کے وقت دوسرے دوست کا ہوتا ہے اسی دوران میں آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ "اے بیٹے! میں تجھے اعتقاد کا مسئلہ سمجھاتا ہوں اگر تم نے یہ مسئلہ بخوبی ذہن نشین کر لیا تو ساری پریشانیوں سے نجات پا جاؤ گے، یاد رکھو دنیا میں لوگوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں اور جو واقعات پیش آتے ہیں۔ ان سب کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ اپنی مصلحت کے مطابق واقعات کو معرضِ ظہور میں لاتا ہے اس لیے ہمیں ان پر ناگواری کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے اور جو واقعہ رونما ہو اس پر راضی بہ رضا رہنا چاہیئے اتنا کہا اور آپ کا مرغ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا (کشف المحجوب ص ۱۳۱ فارسی نسخہ مطبوعہ گلزار ہند اسٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۲۳ء)

لاہور میں تشریف آوری

جب حضرت مخدوم علی ہجویریؒ نے علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کر لیا تو آپ کے مرشد نے آپ کو لاہور جا کر تبلیغ اسلام کرنے کا حکم دیا کہا جاتا ہے کہ چونکہ آپ کے روحانی بھائی حضرت شاہ حسین زنجانیؒ (جو آپ کے مرشد کے مرید تھے) پہلے سے لاہور میں فروکش تھے اس لیے حضرت علی ہجویریؒ نے مرشد کے اس ارشاد پر تعجب کیا اور کہا کہ حضرت وہاں تو حسین زنجانیؒ یہ فرض ادا کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں ان باتوں سے کیا غرض، تم لاہور روانہ ہو جاؤ حضرت علی ہجویریؒ نے مرشد کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا اور تین افراد کا مختصر سا قافلہ لاہور روانہ ہو گیا اس قافلہ کے باقی دو بزرگ یہ تھے۔ شیخ ابوسعید ہجویریؒ اور شیخ احمد حمادی سرخسیؒ۔ یہ دونوں ہی درویش اور مبلغ اسلام تھے (تحقیقات چشتی ص ۱۴۵)

اس کے بعد کا واقعہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدینؒ کی زبانی یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت علی ہجویریؒ مرشد کے حکم سے لاہور آئے تو رات کا وقت تھا۔ اس لیے آپ نے رات کا باقی حصہ شہر کے باہر گزارا جب صبح ہوئی اور آپ شہر میں داخل ہوئے تو شیخ حسین زنجانیؒ کا جنازہ نکل رہا تھا۔ (فوائد الفواد ص ۲۵)

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ نے یہ واقعہ بیان نہیں کیا حالانکہ انہوں نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں اپنی زندگی کے تمام قابلِ ذکر حالات قلمبند کیے ہیں اور یہ واقعہ تو نہایت عظیم الشان اور ان کے مرشد کے روحانی کمالات کا بہت بڑا مظہر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تبلیغی خدمات

حضرت علی ہجویریؒ کی لاہور میں تشریف آوری سے قبل متعدد بزرگ یہاں تشریف لاکر تبلیغ اسلام کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دے چکے تھے جن میں سے بعض کا حضرت مخدوم علی ہجویریؒ نے تذکرہ بھی کیا ہے، مثلاً شیخ حسام الدین لاہوریؒ، بزرگانِ دین کے علاوہ امیر سبکتگین اور سلطان محمود غزنوی کے پنجاب پر حملوں کے بعد بہت سے افغان اور ترک مسلمان یہاں آباد ہو گئے تھے انہوں نے مساجد بھی تعمیر کی تھیں اور ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ مگر حضرت علی ہجویریؒ کی آمد کے وقت یہاں کے سیاسی حالات بڑے خراب تھے، سبکتگین اور محمود غزنوی کے جانے کے بعد پنجاب کے ہندو سرداروں نے متعدد بار بغاوتیں کیں اور مسلمانوں کو تہ و تیغ اور ان کی مساجد کو ویران کر دیا۔ چنانچہ راجہ اننگ پال کے حملے کے وقت لاہور کے صرف ایک محلے میں دو ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے گویا حضرت علی ہجویریؒ کی تشریف آوری کے وقت یہاں مسلمان عنقا ہو گئے تھے اور آپ کو اپنا مشن شروع کرنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا تھا۔ مگر آپ نے کسی مخالفت یا نامساعد حالات کی قطعاً پروانہ کی۔ اور نہایت استقلال کے ساتھ رشد و ہدایت کا فرض ادا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی شرافتِ نفس، اخلاق عالیہ، زہد و تقویٰ اور علم و فضل کی کشش نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا اور جلد ہی آپ کی ذاتِ مرجع خلائق بن گئی۔ مفتی غلام سرور کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم علی ہجویریؒ نے لاہور میں آکر ہنگامہ فضیلت و مشیخت گرم کیا، دن کو طالب علموں کی تدریس اور رات کو طالبانِ حق کی تلقین ہوتی، ہزاروں جاہل اُن کے ذریعہ سے عالم، ہزاروں کافر مسلمان، ہزاروں گمراہ رو بہ راہ، ہزاروں دیوانے صاحبِ عقل و ہوش، ہزاروں ناقص کامل، اور ہزاروں فاسق نیکوکار بن گئے، تمام زمانے نے ان کی غلامی کو اپنا فخر تصور کیا اس وقت لاہور مرجع علماء و فضلا تھا۔ دور دور سے شیخ حضرت کی خدمت میں آکر باریاب ہوتے (حدیقۃ الاولیاء ص ۹۷)

لاہور میں تشریف آوری کے کچھ عرصہ بعد آپ نے یہاں ایک مسجد تعمیر کی اور اس کی تعمیر میں خود بھی مزدوروں کی طرح حصہ لیا اسی مسجد کو آپ نے اپنی دینی اصلاحی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اس کے ساتھ ایک حجرہ تعمیر کیا جس میں آپ نے اقامت اختیار کی۔ یہ مسجد اور حجرہ تو دست بردِ زمانہ کے ہاتھوں باقی نہ رہے البتہ اسی جگہ آپ کے ایک عقیدتمند گلزار شاہ نے ایک نئی مسجد تعمیر کرائی جو آج بھی موجود ہے۔ (تحقیقات چشتیہ ص ۱۳۸)

وفات

کم و بیش سو سال کی عمر پا کر یہ آفتاب رشد و ہدایت غروب ہو گیا۔ مسجد کے قریب ہی آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار گذشتہ آٹھ ساڑھے آٹھ سو سال سے عوام و خواص کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ عام تاریخی کتابوں میں آپ کی وفات کا سن ۴۶۵ھ درج ہے مگر تحقیق سے یہ سن وفات درست ثابت نہیں ہوتا ہم اپنی کتاب "آفتاب ہجویر" میں اس مسئلہ پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں یہاں اتنا لکھ دینا کافی ہوگا کہ آپ کی وفات ۵۰۰ھ کے اوائل میں ہوئی سنہ وفات کی طرح آپ کے متعلق بعض اور باتیں بھی منسوب ہو گئی ہیں جو واقعات کے خلاف ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ برصغیر کے مشہور روحانی پیشوا حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کو گنج بخش کا لقب دیا اور چلہ کشی کے بعد آپ کے مزار سے رخصت ہوتے وقت یہ شعر کہا کہ

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اسی شعر کی وجہ سے عوام الناس میں یہ خیال عام ہو گیا کہ "گنج بخش" حضرت معین الدین چشتیؒ کا دیا ہوا لقب ہے حالانکہ یہ واقع صحیح نہیں اور خود حضرت مخدوم علی ہجویریؒ کی ایک تحریر سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں (جس کے متعلق بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ کتاب حضرت علی ہجویریؒ کی تصنیف نہیں ہے شاید اس لیے کہ اس میں بعض ایسی باتیں درج ہیں جن سے شرک و بدعت کی نفی ہوتی ہے، فرماتے ہیں" اے علی تو لوگ تجھے گنج بخش داتا کے لقب سے پکارتے ہیں حالانکہ تیرے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو اس قسم کے

خیالات کو اپنے دل میں جگہ نہ دے یہ سخت تکبر کی بات ہے۔ "گنج بخش ہو یا رنج بخش یہ سب صفات ذاتِ حق کے لیے مخصوص ہیں۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کی زندگی ہی میں لوگ آپ کو داتا گنج بخش کے لقب سے پکارنے لگے تھے اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ لقب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا دیا ہوا ہے دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت علی ہجویری نے اس لقب کو اپنے لیے پسند نہیں کیا اور اسے شرک اور تکبر قرار دیا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ خود بڑے موحد تھے آپ کا ذکر ایسے الفاظ میں کرتے جو حضرت علی ہجویری کے خیال میں اسلامی عقیدے کے خلاف تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے میں آپ کے کسی عالی عقیدت مند نے یہ مصرعے موزوں کر کے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر دیئے بالکل اسی طرح جس طرح یہ مشہور رباعی آپ سے منسوب کر دی گئی کہ ؎

شاہ است حسینؓ، بادشاہ است حسینؓ
دیں است حسینؓ، دیں پناہ است حسینؓ
سر داد، نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

حالانکہ اہل قلم جانتے ہیں کہ یہ رباعی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی نہیں بلکہ ایران کے ایک شاعر معین کاشی کی ہے نام کے اشتراک کی وجہ سے یہ حضرت خواجہ صاحبؒ سے منسوب ہو گئی۔

اخلاق وسیرت

حضرت مخدوم علی ہجویریؒ اپنے عہد کے بہت بڑے فاضل، نہایت خدا رسیدہ اور اخلاق فاضلہ کا پیکر تھے آپ نے متعدد عالمانہ کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں "کشف المحجوب" کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اس میں تصوف کے باریک اسرار نہایت دل نشیں پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں اسلامی تعلیمات اور عقائد کے لحاظ سے بھی اس کتاب کا پلہ بڑا اونچا ہے۔ تاریخ اسلام بزرگان دین کی سیرت، ان کی زندگی کے واقعات اور خود حضرت علی ہجویریؒ کے افکار و مشاہدات نے اس کتاب کی قدر و قیمت کو دو چند کر دیا ہے اس میں آپ نے شرک و بدعت کی پر زور مخالفت کی ہے اور وحدانیت کا درس دیا ہے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ علم تصوف پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری کتاب ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے جو کتابیں لکھی ان میں بحر القلوب، منہاج الدین، البیان لاہل العیان، اسرار الخرق والمؤنات، کشف الاسرار اور الرعایت بحقوق اللہ کے نام تاریخ و سیر کی کتابوں میں محفوظ ہیں آپ نے بڑی سادہ زندگی گزاری کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے دروازے پر نہیں گئے۔ لوگوں سے بڑی تواضع سے پیش آتے۔ دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ غربا کی امداد کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہتے حتیٰ کہ ایک بار مقروض ہو گئے اور قرض خواہوں کے ہاتھوں بڑی پریشانی اٹھائی مگر اس کے باوجود سائلوں اور مساکین کی امداد سے دست کشی گوارا نہ کی۔ آپ نہایت معمولی اور قلیل غذا استعمال کرتے۔ رات کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں گزار دیتے۔ دن کو طلبا کو تعلیم دیتے اور متلاشیان حق کی رہنمائی فرماتے۔ تحمل و بردباری آپ کی سیرت کا نمایاں وصف تھا۔

بقیہ بدعت

دیا ہے یہ نہیں جانتے کہ دین کے اکمال و اتمام پر اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے فماذا بعد الحق الا الضلال اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں محدث امر یعنی بدعت کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے۔ تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔ (مکتوبات دفتر دوم۔ مکتوب ۱۹)

فحش کلامی نہ کرو

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ" رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بھی ایمان دار ہے وہ طعن و تشنیع کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی لعنت بھیجتا ہے اور نہ ہی بد زبانی اور فحش کلامی کرتا ہے اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا

آپ کے خطوط

نعرۂ رسالت

محمد رسول اللہ

مکرمی و محترمی جناب مدیر صاحب ہفت روزہ خدام الدین لاہور!

السلام علیکم۔ دنیا کی مختلف قومیں جنگ و جدل کے وقت اپنی بہادری اور جوش و خروش کے اظہار کے لئے اپنی اپنی روایات کے مطابق مختلف قسم کے نعرے بلند کرتی رہی ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان جہاد کے لئے جاتے وقت اور جہاد کرتے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کیا کرتے ہیں اور آجکل بھی جنگوں میں ایسا ہی ہوتا ہے نعروں کی حقیقی جگہ ویسے بھی میدانِ جنگ ہی ہوتی ہے

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں مذہبی فرقہ بندی دوسرے مسلم ممالک سے زیادہ ہی ہے مختلف بدعات بھی اسی خطہ میں پیدا ہو کر فروغ پا چکی ہیں انہی حالات اور باہمی مذہبی اختلافات نے مسجدوں۔ جلسے جلوسوں اور مذہبی اجتماعات میں نعرہ بازی کو جنم دیا ہے یہاں پر ان جگہوں میں نعرہ بازی کا زیادہ تر مقصد کسی مقرر کو اس کی اچھی تقریر پر داد دینا اور دوسرے فرقے کے لوگوں کو اپنا جوش و خروش دکھانا ہوتا ہے۔ حالانکہ مساجد میں نعرہ بازی آداب مساجد کے بھی خلاف ہے۔

اہل سنت والجماعت کے دونوں فرقے دیوبندی اور بریلوی جو دونوں ہی اپنے آپ کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا پیروکار کہتے ہیں نعرہ تکبیر۔ اللہ اکبر پر متفق ہیں اور نعرہ تکبیر ان کا مشترکہ نعرہ ہے مگر نعرہ رسالت۔۔۔ "یارسول اللہ" میں اختلاف ہے۔ بریلوی حضرات کو جتنا یہ نعرہ مرغوب ہے دیوبندیوں کو اس سے اتنی ہی چڑ ہے۔ دونوں فرقوں کے اس نعرہ پر حقیقی اختلاف کو نظر انداز کر کے دیکھا جائے تو نعرہ رسالت کا جواب یارسول اللہ کچھ بامقصد اور بامعنی نظر نہیں آتا۔ نعرہ تکبیر کے جواب میں اللہ اکبر کہا جاتا ہے جو اپنے عظیم معنی رکھتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا ذکر ہے مگر نعرہ رسالت کے جواب میں "یارسول اللہ" کہنے سے نہ ہی تو کوئی عبادت ہوتی ہے اور نہ ہی رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کی کوئی شان بیان ہوتی ہے۔ بار بار "یارسول اللہ" "یارسول اللہ" کہہ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا تو جاتا ہے۔ مگر اس کے بعد ان سے کوئی گذارش نہیں کی جاتی انہیں کوئی تکلیف نہیں بتائی جاتی جس سے انہیں پکارنا لایعنی ہو جاتا ہے۔ یہی حال بریلوی حضرات کے دوسرے نعروں کا ہے۔

مکرمی! دنیائے اسلام خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں کو جس قدر اتحاد و اتفاق کی آج ضرورت ہے اس سے پہلے نہ تھی۔ پاکستان کے بیرونی اور اندرونی حالات کا تقاضا ہے کہ سب مسلمان اپنے اختلافات ختم نہیں کر سکتے تو کم از کم ضرور کر دیں۔ غیر متفقہ نعرہ بازی سے ایک دوسرے کے خلاف نفرت بڑھتی ہے اور اختلافات کی خلیج وسیع ہو کر اختلافات کو مزید ہوا ملنے کا سبب بھی بنتی ہے۔ مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کے مسئلے نے سب مسلمانوں کو یکجا کر دیا ہے۔ دیوبندی۔ بریلوی شیعہ اور اہل حدیث علمائے کرام میں اس وقت قابل رشک اتفاق اور ہم آہنگی ہے۔ خدا کرے سب مسلمانوں کا یہ اتحاد ہمیشہ کے لئے قائم دائم ہو جائے اور وہ باہم رواداری سے کام لے کر متنازعہ فیہ مسائل حل کر لیں۔ علمائے کرام کے لئے یہ سنہری موقع ہے کہ مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کریں۔

مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کے باہمی اختلافات کم کرنے کے لئے میں تجویز کرتا ہوں اور اس کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اور مبارک نعرۂ رسالت سے کیا جائے۔ نعرہ رسالت کے جواب میں یارسول اللہ کی بجائے "محمد رسول اللہ" اپنا لیا جائے۔ "محمد رسول اللہ" کہنے سے حضرت محمدؐ کی شان بیان ہوتی ہے نعرہ تکبیر۔۔۔ اللہ اکبر میں توحید کا ذکر ہے تو نعرہ رسالت۔۔۔ "محمد الرسول اللہ" میں رسالت کا۔ توحید اور رسالت پر ایمان ہی مسلمانوں کی بنیاد ہے۔ دیوبندی حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اس نعرہ کو اپنا لیں اور بریلوی حضرات سے التجا ہے کہ وہ نعرہ رسالت میں ترمیم کر کے بہتر نعرہ اختیار کریں تاکہ حنفی عقیدہ والوں میں نعرہ تکبیر کے ساتھ ساتھ نعرہ رسالت بھی مشترک بن جائے۔ والسلام

(حفیظ الرحمان واہ کینٹ، ۲۱/۵۰۴ الف)

از مولانا حکیم محمد شعیب

مذہب اور سیاست

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہ تصور کم وبیش ہر مذہب ماننے والے میں موجود ہے کہ یہ فانی زندگی دارالعمل ہے جو یہاں بوؤ گے وہی وہاں کاٹو گے اس لیے ہر دین بنیادی طور پر معروفات (بھلائیوں) کی ترغیب اور منکرات (برائیوں) سے نفرت دلاتا رہا اور یہی تہذیب کی بنیادی انٹیں ہیں۔

پتھروں اور چٹانوں کے زمانہ کے انسانوں سے آج ایٹم اور ہوائی جہاز کے انسانوں تک ہر دور میں مذہب اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے مقدس انسانوں نے ہی راہبری کی اور جوں جوں ان مقدسین کی بتائی ہوئی راہوں کو مٹایا گیا۔ اتنی ہی دنیا بربادی کے قریب ہوتی گئی۔ آج وہ دور ہے کہ یہ احسان ناشناس انسان مذہب کو ایک گالی تصور کرنے لگا ہے۔

ملوکیت سے لے کر کمیونزم تک ہر انسان ہمیشہ خود غرض وخود آسائش رہا۔ اس کے نزدیک مقدم ہمیشہ ذاتی راحت رہی۔ انسانیت۔ انصاف یا رحم وفیاضی جب بروئے کار آئی جب اس کا اپنا پیٹ ناکوں ناک بھر جاتا ملوکیت کے زمانہ میں تو پھر ایک تنہا شخص کی خواہشات اور تمنائیں ہوتی تھیں وہ محدود ہی نہیں ہوتی تھیں۔ آج جب کہ جمہوریت کا دور ہے ان کی حاکم پارٹی کے افراد لاکھوں ہوجاتے ہیں۔ اس لیے اس کی ذاتی تمنائیں اور خواہشات لامحدود ہوجاتی ہیں اور ذاتی اغراض تو اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ فیاضی تو درکنار ما بقی دنیا کو زندہ رہنے کے وسائل سے بھی محروم ہونا پڑتا، پھر یہ اتنے ظالم ہیں کہ سب مل کر ظلم اکبر ہوجاتے ہیں۔ بادشاہ اکیلا ہوتا تھا ظالم تھا مر گیا دوسرا چھا گیا مگر یہ نام نہاد جمہوریت آج کی وہ لعنت ہے کہ اس سے چھٹکارے کی آس ہی نہیں رہتی۔ مذہب یا آئین خداوندی کا خوف ہی ایسا تھا جو ان ظالموں کو سدھارتا اس لئے انہوں نے سب سے زیادہ مذہب کو مٹانے کا پروپیگنڈا کیا اور مذہبی لوگوں کی ذاتی خرابیوں کو مذہب کا نتیجہ قرار دے کر اس کو انتہائی گھناؤ کا روپ دے دیا، اور شیطان نے اس ظالم جمہوریت اور سیکولرزم کے دماغوں پر ایسا قبضہ کیا کہ گویا دنیا نے اتنی مدت کے بعد منزل مقصود کو پالیا اور لامذہبی ہی دنیا کی آسودگی چین وراحت کی ذمہ داری ہے۔

جب اکثریت اس کی تابع ہوجائے تو پھر دنیا میں چین کہاں تاریخ کے اوراق سامنے ہیں۔ کیا ملوکیت کے زمانہ میں دنیا اتنی بے چین اور خوفزدہ تھی جتنی آج ہے کیونکہ ملوکیت اپنے اپنے طبقات تک محدود تھی اور یہ لعنتی جمہوریت پوری دنیا پر مسلط ہے اور خدا ناشناس جمہوریت کا تصادم خدا جانے کب پوری دنیا کو بھسم کردے۔

یہ سب نتیجہ ہے، مذہب سے دوری اور خدا تعالیٰ سے بے خوفی کا۔ کیونکہ جب تک ہر ہر فرد کو یہ یقین نہ ہو کہ اس کے ہر ظاہر وخفیہ کردار کو ایک بڑا طاقتور دیکھنے والا موجود ہے اور اس کے سامنے جوابدہی لازمی ہے اس کو اپنی ہر غلط سے غلط تمنا پوری کرنے سے کون روک سکتا ہے۔ یا روک سکے گا۔

خوف ہی انسانی سرکشی کا سب سے بڑا تازیانہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا خوف تو بڑی چیز ہے دیکھ لیجئے جب اس کے بندے انگریز کا خوف تھا۔ تو یہاں کی حکومت کیسی تھی۔ اور آج کیسی ہے آج بے خوفی کا دور دورہ ہے چوروں کے آگے چور جوابدہ ہیں۔ پھر خوف کس کا وزیر سے لے کر چپراسی تک اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ ظلم بے انصافی اتنی عام ہے کہ وہ اب بالکل معمولی اور روزمرہ کے واقعات ہو کر رہ گئے ہیں۔

مذہب کا تصور ذہن کے کسی گوشہ میں بھی ہوتا، تو کبھی تو سوچا جاتا کہ اس ظلم وبیدردی کا پھل بھگتنا ہوگا۔ تو کبھی شاید ہاتھ رک جاتا۔

اب یہ عام بات عام چلن اور عام رجحان ہوگیا ہے۔ کہ مذہب کو سلطنت سے اور دین کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔ دین مذہب ذاتی کردار ہیں اور سیاست وسلطنت عام، گویا سلطنت وسیاست میں کردار کو دخل نہیں کتنی لایعنی بات ہے اور سیاست انسانی زندگی سے کوئی علیحدہ چیز ہے

بیعت

پشاور یونیورسٹی شعبہ عربی کے سربراہ حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب زید مجدہم سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ کے مجاز ہیں اور ان کا وجود ملت اسلامیہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے ع درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق" کا خوبصورت اور حسین امتزاج ان کے یہاں آپ کو نظر آئے گا اور ان کی مجلس میں بیٹھ کر یاد الٰہی کا داعیہ دل میں پیدا ہوگا ــــ انہوں نے اپنے شیخ ومرشد علامہ ندوی کی سلوک کی تعلیمات کو قابلِ قدر توضیحات کے ساتھ دو جلدوں میں بعنوان سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت مرتب کیا ہے یہ قابلِ قدر ذخیرہ دو جلدوں میں مرتب کیا ہے۔ کل صفحات ۹۲۰ ہیں۔ سلیمان اکادمی اشرف منزل نزد اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی نے اسے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے ــــ اس کی جلد اول کا ایک حصہ بعنوان بیعت نمونۃً پیشِ خدمت ہے ہدیہ مکمل سیٹ ۸۷/- روپے ہے۔ حضرت مولانا عبد الباری ندوی، مولانا عبد الماجد دریاآبادی، جناب ڈاکٹر عبد الحی عارفی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تحریرات نے کتاب کا حسن دوبالا کر دیا ہے۔

ادارہ

حضرت سیدی قدس سرہٗ بیعت کے رسمی طریقہ کو ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ سلوک میں اصل مقصود تعلیم وتربیت ہے۔ بیعت صرف اس کا ایک ظاہری نشان ہے۔ مقصد کے حصول میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ شیخ اگر بیعت کو مناسب سمجھے تو استحسان کے درجہ میں بہتر ہے۔ ورنہ اگر شیخ تربیت میں اور سالک اس کی تعلیمات کی پیروی میں کوتاہی نہ کرے۔ تو بغیر بیعت کے بھی فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں عدمِ بیعت سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا مسعود عالم ندویؒ کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"بیعت کا رسمی طریقہ غیر ضروری ہے یہ میں نہیں کہتا۔ بلکہ ہمارے بزرگوں کا ارشاد ہے۔" (مکاتیب سلیمان)

راقم سے ایک مرتبہ فرمایا:۔

"مقصود تو تعلیم ہے۔ لوگوں میں بیعت کی جتنی اہمیت ہے۔ تعلیم کی اتنی نہیں"۔

ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:۔

"بیعت ضروری شے نہیں۔ تاہم اگر ان کو اصرار ہو تو خط کے ذریعے ہو سکتی ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں ہے:۔

"بیعت کوئی ضروری چیز نہیں۔ تاہم اس سے اگر کوئی دینی نفع سمجھتے ہیں۔ تو مجھے عذر نہیں۔"

ایک طالب کو لکھتے ہیں:۔

"بیعت کی اہمیت اسیقدر ہے کہ اس سے طبائع میں مزید مستعدی پیدا ہو جاتی ہے۔ بہرحال اگر اس کی خواہش ہے تو انشاءاللہ پوری ہوگی۔"

ایک دوسرے صاحب کو ارقام فرمایا:۔

"جیسا کہ میں نے زبانی کہا۔ کہ بیعت پر نجات موقوف نہیں لیکن اگر آپ کا دل طالب ہے۔ تو پہلے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ قصد السبیل ملاحظہ فرمائیں۔ تا کہ مقصد کا تعین ہو۔ اور باہمی غلط فہمی نہ ہو۔"

درحقیقت 'بیعت' شیخ ومرید کے درمیان ایک 'معاہدہ' ہے کہ شیخ اس کی اصلاح دینی اور خیر خواہی میں کمی نہ کرے گا۔ اور مرید شیخ کی ان ہدایات کی پوری پابندی کرے گا۔ جو خلافِ شریعت نہ ہونگی۔ حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب علم مرید کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول یہ بیعت طرفین سے معاہدہ

ہے۔ مُفید کی طرف سے اس بات کی کہ وہ تعلیم و شفقت میں اپنے جانتے کمی نہ کرے گا۔ اور مستفید کی طرف سے اس بات کا کہ وہ اتباع میں حسبِ استطاعت کمی نہ کرے گا"۔

بیعت کے نفع کا مدار مناسبت پر ہے۔ اس لئے بیعت یا اس "باہمی معاہدہ" سے پیشتر صحبت یا خط و کتابت کے ذریعے شیخ سے مناسبت پیدا کر لینا مستحسن ہے۔ اس لئے جب تک یہ مناسبت پیدا نہ ہو، بیعت میں عجلت کئے بغیر شیخ کی ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ اور بیعت کو شیخ کی صوابدید پر چھوڑ دے کہ جب وہ مناسب سمجھے بیعت لے لے۔

اس سلسلہ میں حضرت الشیخ قدس سرہٗ ایک زیر تربیت طالب کو ارقام فرماتے ہیں:

"بیعت شیخ و مرید کے باہمی معاہدہ کا نام ہے۔ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ اپنے وقت پر ہوگا۔ یہ سب اسی کے لئے تیاری ہے"۔

ایک دوسرے مکتوب میں اسی طالب کو لکھتے ہیں:۔

"آپ اپنے معمولات میں مصروف رہیں۔ پھر بیعت کی خواہش کریں۔ کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتا ہوں، تو پھر میں بیعت انشاء اللہ تعالیٰ لے لوں گا"۔

ایک دوسرے طالب کو تحریر فرماتے ہیں:

"بیعت شیخ و مرید کے باہمی معاہدہ کا نام ہے۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے وقت پر ہوگا۔ اور یہ سب اس کے لئے تیاری ہے"۔

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"یہ (بیعت) طرفین سے الحب فی اللہ کا معاہدہ ہے۔ کہ طالب تعمیل میں اور مطلوب یعنی شیخ تعلیم میں کوئی کمی اخلاص میں نہ کرے گا۔ باقی رسم بیعت میں استعجال غیر ضروری ہے۔ یہ بات اپنے وقت پر انشاء اللہ ظہور میں آئے گی"۔

ایک اور صاحب کے خط میں ہے:۔

"یہ (اقرار بیعت) اپنے وقت پر ہوگا۔ بیعت ایک اقرار کا نام ہے۔ اقرار سے پہلے اقرار کی تعمیل کے لئے اپنے کو تیار کرنا چاہئے۔ ورنہ اقرار بھی بے سود ہوگا......

انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی طبیعت میں عزیمت پیدا ہو جائے تو بیعت بھی ہو سکے گی۔ ابھی آپ اصلاح کا کام جاری رکھیں"۔

ایک بیعت کے خواہشمند کو تحریر فرمایا:۔

"بیعت کے لئے میں تیار ہوں ......مگر بہتر ہے کہ آپ اس کی تیاری بھی کر لیں، پہلے مطلع کریں۔ کہ نماز پابندی سے اور جماعت سے آپ پڑھتے ہیں۔ اور دیگر معمولات شب و روز آپ کے کیا ہیں۔ اور کیا راہ پر پورے مستقل آپ رہ سکیں گے۔ اپنے عیوب کا بھی جائزہ لیں"۔

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ علماء، تعلیم یافتہ طبقہ اور امراء کی بیعت میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔ اور جب تک ان سے پوری مناسبت اور ان میں جذبہ اصلاح کے عزم راسخ کا ظنِ غالب نہیں ہو جاتا تھا، بیعت نہیں فرماتے تھے۔

گذشتہ سطور میں "تاخیر و التوائے بیعت" کی ہدایات اکثر ایسے ہی حضرات کو ہیں۔ اس بات پر ایک واقعہ سے مزید روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے نقل کرتا ہوں۔

راولپنڈی کے ایک سفر میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ بیمار تھے، کچھ دنوں تک کرنل سرور کے زیر علاج رہے۔ قیام ڈی۔ ایم۔ ملک اور محترمی محمد شفیع قریشی صاحب کی کوٹھی پر تھا، دوران قیام میں ایک میجر (ڈاکٹر) صاحب نے میرے سامنے بیعت پر انتہائی اصرار کیا۔ حضرت والاؒ نے پہلے اس سے قصد السبیل کے خاص خاص مقامات پڑھوائے، پھر بیعت کی ذمہ داریاں سمجھائیں، لیکن وہ بیعت پر مصر رہے۔ آخر حضرت والاؒ نے پوچھا، آپ کا بیعت سے مُدعاء کیا ہے۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا "اتنے بڑے عالم کا مرید ہو جاؤں گا" حضرت والاؒ اپنی معلوم مروت کی بنا پر خاموش رہے اور وہ اسی طرح اصرار کرتے رہے، اس وقت مجھے کسی کام کی وجہ سے چلا جانا پڑا۔ واپسی پر رات کو حضرت والاؒ سے پوچھا کیا میجر صاحب بیعت ہو گئے ہیں؟ ارشاد فرمایا "ہم مریدین کے شکار کے پیچھے نہیں پھرتے اور پھر فرمایا" آپ نے ان کی

بات سُنی تھی، ان کی نیت اپنی اصلاح کی نہ تھی"۔

اس کے بالمقابل ایک سیدھے سادے فوجی سپاہی کے خلوص و مناسبت اور طلب کو دیکھ کر فوراً وہیں بیعت فرما لیا۔ کہ حضرت الشیخ قدس سرہٗ سیدھے سادہ غرباء کی بیعت میں زیادہ تاخیر نہیں فرماتے تھے۔ اور ان کی طلب پر بشرط مناسبت انہیں جلدی بیعت سے سرفراز فرما دیتے تھے۔ اسی طرح شادی شدہ عورتوں کو ان کے خاوند کی اجازت کے بعد جلد بیعت فرما لیتے تھے لیکن ناکتخدا لڑکیوں کی تربیت بغیر بیعت کے فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم سے فرمایا:۔

"کنواری عورتوں کی بیعت میں ایک مشکل ہے۔ نہ معلوم آگے چل کر ان کی شادی کس سے ہو، وہ پسند کرے یا نہ کرے"۔

چنانچہ ایک ناکتخدا طالبہ نے جب بیعت کی درخواست کی تو ارقام فرمایا:۔

"بیعت آئندہ حالات کے جاننے پر منحصر ہے۔ ابھی انتظار کرو۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے۔ اصل مقصود کام ہے۔ بیعت اصل مقصود نہیں"۔

اس جواب پر طالبہ نے جب حسرت و یاس کا اظہار کیا تو اسے ارقام فرمایا:۔

"اس میں مایوسی اور ناامیدی کی کوئی بات نہیں۔ نہ اس کو بدبختی سمجھیں، بات یہ ہے کہ جب تک لڑکی کا نکاح نہیں ہو جاتا۔ اس کی زندگی پوری نہیں ہوتی۔ معلوم نہیں اس کا آئندہ شریکِ حیات کون ہوگا اور کیسا ہوگا۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس کا لحاظ کیا جائے۔ باقی آپ کی پوری تعلیم جاری رہے گی۔ آپ اپنے معمولات لکھ کر بھیجیں"۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ شادی شدہ عورتوں کے خط پر خاوند کے اور لڑکیوں کے خط پر بھائی یا باپ کے دستخط ضروری سمجھتے تھے۔ ایک طالبہ کو لکھتے ہیں:

"آپ کے خط پانے سے خوشی ہوئی، آپ کو چاہئے کہ اپنے اس خط پر اپنے بھائی صاحب کے دستخط کرا لیتیں۔ گو زبانی...... سے آپ کا حال معلوم ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ اپنا نام نہ لکھیں۔ اس کی جگہ ہمشیرہ فلاں لکھ دیا کریں"۔

ایک صاحب جو اپنی چند رشتہ دار عورتوں کو بیعت کرانا چاہتے تھے۔ تحریر فرمایا:۔

"آپ کسی پر زور نہ دیں۔ نہ کسی دوسرے کی وکالت کریں۔ اگر ان کی شادیاں ہو گئی ہیں۔ تو وہ اپنے اپنے شوہروں کی اجازت سے خط لکھیں۔ اور اس میں بجائے نام کے اہلیہ فلاں لکھیں۔ شوہر کی اجازت کا رقعہ اس میں رکھیں۔ آپ کی اہلیہ سلمہا بھی اس پر عمل کریں۔

ان تحریروں سے جہاں مسلکِ سلیمانی کی صفائی و پاکی کا اندازہ ہوتا ہے وہاں حزم و احتیاط اور حدود کی رعایت اور رکھ رکھاؤ بھی نمایاں ہے۔ کہ خاصانِ خدا کا کمال ہر حال میں اعتدال اور رعایت حقوق و پابندئ احکام الٰہی ہے۔

بقیہ: حکمت کی باتیں

۲۷۔ محبت کا ایک گھنٹہ سَو برس کی بے محبت زندگی سے بہتر ہے۔ (شیلے)

۲۸۔ عورت مصیبت و غم کو کم کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ (بار بولڈ)

۲۹۔ آزادی اس کا نام نہیں کہ اخلاق اور مذہب کی پابندی نہ کی جائے۔ (پوپ)

۳۰۔ اگر تم بیس برس میں خوبصورت نہیں، تیس برس میں طاقتور نہیں، چالیس برس میں دانا نہیں، پچاس برس میں دولتمند نہیں، تو کبھی خوبصورت، طاقتور، دانا اور دولت مند ہونے کی امید نہ کرو۔ (چارنر)

۳۱۔ شادی سے یہ غرض نہیں کہ ایک دوسرے کے جسم پر حکومت حاصل ہو بلکہ یہ کہ ایک کی کمی دوسرے سے پوری ہو۔ (سموئیل)

حافظ عبید الرحمٰن

حکمت کی باتیں

۱۔ ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والا گنہگار خدا تعالےٰ کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ (حضرت عیسیٰؑ)

۲۔ انفعالِ گناہ غرورِ عبادت سے بدرجہا بہتر ہے۔ (حضرت عیسیٰؑ)

۳۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں اور اپنے بھائی سے نفرت کرتا ہے تو وہ جھوٹا اور مکار ہے۔ کیونکہ جب وہ آنکھوں سے نظر آنے والے انسان سے بُرا سلوک کرتا ہے۔ تو نادیدہ خدا سے محبت کس طرح کر سکتا ہے اصل میں مخلوق کی محبت ہی خدا کی محبت ہے۔ (حضرت عیسیٰؑ)

۴۔ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو کیونکہ خداوند کریم اپنے سورج کو نیک و بد دونوں پر چمکاتا ہے۔ اور نیک و بد دونوں پر مینہہ برساتا ہے۔

۵۔ بدن کا چراغ آنکھ ہے پس اگر تیری آنکھ درست ہے تو تیرا سارا بدن روشن ہوگا اگر تیری آنکھ خراب ہے تو تیرا سارا بدن تاریک ہوگا۔ (حضرت عیسیٰؑ)

۶۔ عاجزی یہ ہے کہ درویشوں سے تواضع کرے اور امیروں سے تکبر کرے۔ (حضرت بایزید بسطامیؒ)

۷۔ شریعت دنیا و آخرت کی سعادتوں کی ضامن ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانیؒ)

۸۔ کوئی جاہل بے نماز ولی نہیں ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا۔ (حضرت مجدد الف ثانیؒ)

۹۔ عورتوں میں ایک قسم کا ضعف ہے اور مردوں کا تحمل کرنا اس کا علاج ہے۔ (حضرت امام غزالیؒ)

۱۰۔ عورتوں کو ضُعف اور ستر سے پیدا کیا گیا ہے ضُعف کا علاج خاموشی اور ستر کا علاج عورتوں کو پردہ میں رکھنا ہے۔ (حضرت امام غزالیؒ)

۱۱۔ عورت کی غلطی کو معاف کرنا اور اسے راہِ شریعت پر قائم کرنا بہتر عبادت ہے۔ (حضرت امام غزالیؒ)

۱۲۔ بادشاہ کے کارندوں کے ظلم کی باز پُرس بادشاہ سے بھی ہوگی اور کارندوں سے علیحدہ بھی۔ (حضرت امام غزالیؒ)

۱۳۔ ظالم کے مرنے سے ملول ہونا ظلم میں شامل ہوتا ہے۔

۱۴۔ رشوت سود مال حرام سے صدقہ دینے والا ناپاک کپڑا پیشاب سے دھونے کی مثل ہے۔ (حضرت امام غزالیؒ)

۱۵۔ طالبِ دنیا عالم کا فساد شیطان سے زیادہ ہے۔ (حضرت امام غزالیؒ)

۱۶۔ نظر اس وقت تک پاک ہے جب تک یہ نہ اٹھائی جائے۔ (بو علی سینا)

۱۷۔ جو شخص اپنے دوستوں کی ہر خطا پر عتاب کرے اس کے دشمن بہت ہوں گے۔ (بو علی سینا)

۱۸۔ زندگی میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں۔ خوفِ مرگ، شدت مرض، ذلت قرض۔ (بو علی سینا)

۱۹۔ مفاسدِ تونگری مصائب افلاس سے بدرجہا شدید تر ہیں۔ (بو علی سینا)

۲۰۔ چار لوگوں کے غصّے کو برداشت کر۔ روزہ دار، مریض، مسافر، قرض دار، تنگ دست۔ (کیخسرو)

۲۱۔ زندگی بغیر محنت کے معصیت اور بغیر عقل کے حیوانیت ہے۔ (بطلیموس)

۲۲۔ مرد کی زینت پاک عورت ہے۔ عورت کی زینت عصمت ہے۔ (فیثاغورث)

۲۳۔ عالم دین سے ایک گھنٹے کی گفتگو دس برس کے مطالعے سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ (بطلیموس)

۲۴۔ دوستی میں شبہ زہر ہے۔

۲۵۔ ایک دوست صادق کا حصول نعمتہائے الٰہی میں سے بہترین نعمت ہے۔ (اقلیدس)

۲۶۔ ایک مرد کو تعلیم دے کر آپ صرف ایک فرد کو تعلیم دیتے ہیں ایک عورت کو تعلیم دے کر آپ ایک کنبے کو تعلیم یافتہ بناتے ہیں۔ (میکور)

بنات اسلام (۲)

حضرت اُمۃ الجلیل بنت عمرو عدویہ

نیک اور پرہیزگار خاتون

محمد اسحاق بھٹی

ان سے منقول ہے کہ کسی کے درپے آزار ہونا انسانیت کے منافی اور اسلام کے تقاضوں کے منافی ہے۔ جو شخص دوسروں پر اپنے آپ کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ اسلام کی تعلیمات سے اپنی روگردانی کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ولایت کا اندازہ دل، زبان اور ہاتھ سے ہوتا ہے۔ ولی وہ ہے جو کسی کے خلاف دل میں کسی قسم کی کدورت اور حسد و بغض کو جگہ نہ دے۔ زبان سے کوئی ایسا الفاظ نہ نکالے جو دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث بن سکتا ہو اور جس سے سُننے والے کو ذہنی اور روحانی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس کے ہاتھ کسی کے لئے تکلیف رسانی کا باعث نہ بنیں۔

ایک مرتبہ شاگردوں کے حلقے میں فرمایا، لوگوں کو فائدہ پہنچانا، ان کو مشکلات سے دُور رکھنے کی کوشش کرنا، دوسروں کے لئے آرام و آسائش کا اہتمام کرنا بنیادی نیکی اور بہترین خیر ہے۔

ایک مجمع میں فرمایا دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا اور اپنے مفاد کے مقابلے میں دوسرے کے مفاد کا خیال رکھنا بہت بڑی نیکی ہے۔

شاگردوں کا حلقہ

حضرت امۃ الجلیل بنت عمرو عدویہ کے شاگردوں کا حلقہ بھی بڑا وسیع تھا۔ دُور دُور سے لوگ کثیر تعداد میں ان کے پاس آتے اور روحانی فوائد حاصل کرتے۔ ان کا مکان بصرہ میں نیک اور پرہیزگار لوگوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ ہر ایک سے ملتیں اور اس کی ذہنی اور فکری سطح کے مطابق اس سے بات کرتیں اور ہر ممکن طریقے سے اس کو سمجھانے کی کوشش کرتیں۔ ان کے علوِ اخلاق، خلوصِ قلب، تقویٰ، جذبۂ ہمدردی خلائق اور نیکی سے لوگ انتہائی متاثر تھے اور یہ اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کو یہی تعلیم دیتی تھیں — فرمایا کرتیں کہ کتابی علم کا سلسلہ بہت وسیع ہے اور بے شمار حضرات یہ بنیادی خدمت سرانجام دے رہے ہیں لیکن الٰہیت اور خشیت الٰہی کی تعلیم کا سلسلہ روبہ زوال ہے۔ اس کو دوبارہ اسی نہج پر جاری کرنا چاہئے جس نہج پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جاری تھا۔

ایک مرتبہ اپنے شاگردوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا مفہوم کسی خاص دائرہ تک محدود نہیں ہے یہ بہت ہی وسعت پذیر ہے عبادات سے لے کر خدمتِ خلق تک کے تمام گوشے اس میں شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل فرمانبردار وہ ہے جو لوگوں کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ عبادت صرف عابد کی ذات کو فائدہ پہنچاتی ہے لیکن خدمتِ خلق ایسی شے ہے جس سے سب متمتع ہوتے ہیں اور یہ نیکی اپنی ذات کے حدود سے نکل کر دوسروں تک ممتد ہوتی ہے اگر تم اسلام کی صحیح روح کو سمجھتے اور آنحضرتؐ کی اطاعت کو اپنا نصب العین اور شعار قرار دینا چاہتے ہو تو دنیا میں پھیل جاؤ اور لوگوں کی خدمت کرو۔ آنحضرتؐ کے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔ وہ اپنے کام کاج کا حرج کر کے اور اپنے مفاد کو نظر انداز کر کے دوسروں کے کام آتے اور انسانیت کی خدمت کو سب چیزوں پر مقدم ٹھہراتے۔

وفات اور جنازہ

حضرت امۃ الجلیل رحمۃ اللہ علیہا کی وفات کب ہوئی؟ اس کا صحیح طور سے پتہ نہیں چل سکا۔ البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ یہ اسلام

بصائر و عبر

محدث اعظم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

بدقسمتی سے ہم ایک ایسے دَور سے گزر رہے ہیں کہ ہر نیا آفتاب ایک نئی آفت لے کر طلوع ہوتا ہے اور ہر رات فتنہ و فساد اور ظلم و عدوان کی نئی تاریکی چھوڑ کر جاتی ہے، دن بدن انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں، دینی شعائر مٹ رہے ہیں، دل و دماغ مسخ ہو رہے ہیں۔ جہل و عناد کی اس تاریک فضا میں دینی حقائق کو اجاگر کرنا اور دین کی بالکل واضح، بدیہی اور موٹی موٹی باتوں کا سمجھانا بھی بے حد مشکل ہو چکا ہے۔ جب بدی نیکی کا روپ دھار لے، جب صریح منکر کو "معروف" کا نام دیا جائے، جب سراپا جہل کو علم سمجھا جانے لگے، اور جب بے حیائی اور بے حمیتی کو شرافت و اخلاق کی سند مل جائے تو کون سمجھا سکتا ہے کہ یہ بات جسے تم دین سمجھ رہے ہو بے دینی ہے۔ اور جسے تم شرافت و وقار سمجھتے ہو، وہ ننگِ انسانیت ہے۔ یوں تو دنیا میں حق و باطل کو گڈمڈ کرنے کی رسم بہت قدیم زمانے سے چلی آتی ہے۔ اور حقائق اکثر ملتبس رہتے ہیں لیکن اب تو عقلوں پر ایسا پردہ پڑا ہے کہ کسی صحیح بات کا انکشاف ہی نہیں ہوتا، بلکہ باطلِ محض کو حق کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے، شعائرِ کفر کو اسلامی شان و شوکت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، فسق و فواحش کو تقوے خیال کیا جاتا ہے آج اتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین اور دین اسلام کی تذلیل ہوتی ہے مگر بدفہمی کا یہ عالم ہے کہ انہی کو دینِ اسلام کے احترام کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، جن چیزوں کو کل تک اعدائے اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و نفرت کے اظہار کے لیے استعمال کرتے تھے آج انہی چیزوں کو اسلام کے نادان دوست اسلام سے عقیدت کا مظاہرہ کرنے کے لیے اپناتے ہیں۔ ذہن و قلب کے مسخ ہو جانے کا قبیح منظر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟

دراصل جب کسی قوم کے اندر سے دِین کی حقیقی روح نکل جاتی ہے اور صرف نمائشی ڈراموں پر اس کا دار و مدار رہ جاتا ہے تو گھٹیا قسم کے پست اور سطحی مظاہر اس کے فکر و عمل کا محور بن جاتے ہیں۔ لایعنی حرکات کو حقیقی دین سمجھا جاتا ہے۔ فواحش و منکرات کو دینی قدروں کا نام دیا جاتا ہے۔ سنّت کی جگہ من گھڑت بدعات سے تسکین حاصل کی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبّت کا تقاضا تو یہ تھا کہ مسلمانوں کا ظاہر و باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے سرشار ہوتا۔ قدم قدم پر آپؐ کی پیروی ہوتی۔ آپؐ کے ایک ایک طریقے کو اپنانے کا ولولہ ہوتا۔ صورت اور سیرت اور ظاہر و باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی جھلک نظر آتی، آپؐ کی ایک ایک سنّت کو زندہ کرنے اور ایک ایک حکم کو ہر شعبۂ زندگی میں نافذ کرنے کی تڑپ ہوتی۔ لیکن جب قلوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت سے خالی ہو گئے، ایمان و یقین کے چراغ دلوں سے گل ہو گئے، آپؐ کے اخلاق و اعمال کی پیروی کا جذبہ یکسر ختم ہو کر رہ گیا تو محبتِ رسولؐ کے صحیح تقاضوں کی جگہ سطحی مظاہر کو عین دین و ایمان سمجھ لیا گیا۔ توہین و تذلیل کو اکرام و احترام اور دشمنی و عداوت کو اظہارِ محبت تصوّر کر لیا گیا۔ واحسرتاہ

کسی قوم کی دینی حِس کے ماؤف ہو جانے کا جو نقشہ اوپر پیش کیا گیا۔ اس کا سب سے پہلا مظاہرہ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں ہمیں ملتا ہے۔ جب وہ اپنی بدبختی سے اپنے نبی کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر بیٹھے تو انہیں دین کے مردہ ڈھانچے کو محفوظ رکھنے کے لیے نمائشی تصویروں کا سہارا لینا پڑا۔ چنانچہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ اور دیگر اکابر کی فرضی تصویریں بنائی

گئیں۔ اور ان کی پرستش کو جزوِ دین و ایمان بنا لیا گیا۔ بعد ازاں اس محرّف مسیحیّت کی ترویج و اشاعت کے لیے مصنوعی ڈرامے تیار کیے گئے اور ان کی فلموں کی نمائش کی گئی۔ مصر کے چند اشخاص نے سوچا کہ ہم عیسائیوں کی نقّالی میں کیوں پیچھے رہیں۔ انھوں نے اس کے مقابلہ میں جامع ازہر کی مجلسِ اعلیٰ کے بعض ارکان کی سرپرستی میں "فجرِ اسلام" کے نام سے ایک فلم تیار کی اور عرب اسلامی ممالک میں اس کا خوب چرچا ہوا۔ بیس بائیس ممالک میں اس کی نمائش ہو رہی ہے۔ اور اب وہ سرزمینِ پاک کو ناپاک کرنے کے لیے کراچی پہنچ گئی ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ اس کی ایسی تشہیر کی گئی گویا مسلمانوں کو تجدیدِ ایمان کے اہم ذریعہ کا انکشاف ہوا ہے۔ اخبارات کے مطابق یہاں کے بعض نام نہاد علمائے دین نے بھی اس کی "شرعی منظوری" دے دی ہے۔ اور اب فرزندانِ اسلام اسکرین کے پردے پر "اسلام کا تماشا" دیکھنے کے لیے جوق در جوق تشریف لا رہے ہیں۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

بسے نادیدنی را دیدہ ام من
مرا اے کاشکے مادر نزادے

کون نہیں جانتا کہ اسلام کی نظر میں تصویر سازی نہ صرف قبیح اور حرام ہے بلکہ لعنت اور غضب خداوندی کی مستوجب ہے۔ تصویر بنانے والے کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ المصورون اشد الناس عذابا یوم القیامۃ۔ یعنی وہ قیامت کے دن سب سے سخت تر اور بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جس مکان میں تصویریں ہوں اس پر خدا کی لعنت آتی ہے۔ فرشتوں کو تصویروں سے بھی اسی طرح نفرت ہے جس طرح کتّے سے نفرت ہے۔ کیا ان وعیدوں کے ہوتے ہوئے کسی فلم کو جائز کہا جا سکتا ہے؟ کیا فلموں کی ترویج و تشہیر پوری قوم پر خدا کے غضب و لعنت کو دعوت دینے کے مترادف نہیں؟

پھر اس سے بڑھ کر جسارت کیا ہو سکتی ہے کہ عہدِ نبوّت اور عہدِ اسلام کی پاک اور روحانی زندگیوں کو تصویروں کے ذریعے فلمایا جائے؟ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت قرار دیا ہو۔ آپؐ کے پاکیزہ دَور کو اس لعنت میں ملوث کیا جائے؟ کیا اللہ و رسول کے نزدیک یہ ناپاک جسارت قابل برداشت ہو سکتی ہے؟ کیا مسلمانوں میں اتنی ایمانی حِسّ بھی باقی نہیں رہی کہ وہ کم از کم نبوت کے پاکیزہ دَور کو اس نجاست سے تو محفوظ رکھتے؟

مزید برآں یہ کہ یہاں صورت یہ نہیں کہ جو واقعات پیش آئے ہو بہو انہی کا عکس لے لیا گیا ہو۔ بلکہ یہاں جو صحیح صورتِ حال ہے وُہ یہ ہے کہ دَورِ نبوّت کے واقعات کا مصنوعی سوانگ بنایا گیا ہے۔ کچھ بہروپیوں نے۔ خاکم بدہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پارٹ ادا کیا۔ کسی نے صحابہ و صحابیاتؓ کے مقدس اشخاص کا، کسی نے ابوجہل و ابولہب وغیرہ کافروں کا۔ پھر ان مصنوعی ڈراموں کی عکس بندی کر کے فلم تیار کی گئی اور اسے پردۂ اسکرین پر لایا گیا۔ اب اگر کسی مسلمان میں ایمان کی کوئی رمق اور غیرت کی ادنیٰ حِسّ موجود ہو کیا وہ ایک لمحہ کے لیے برداشت کرے گا کہ وہ لوگ جن کا وجود ہی گندگی اور بے حیائی کا نشان ہے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے مقدس صحابہ و صحابیات کی شبیہ بنا کر پیش کیا جائے اور ان کے ادا کردہ پارٹ کو ان مقدّس ہستیوں سے منسوب کیا جائے؟ اس سے بڑھ کر ان حضرات کی تذلیل و توہین کیا ہو سکتی ہے پھر جن لوگوں نے ابوجہل و ابولہب وغیرہ کافروں کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کی کافرانہ حرکات کی نقل کی ہو گی اور صحابہؓ و صحابیات کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہو گا کیا وہ مسلمان بھی رہیں گے؟ اور ان کے وہ تماشائی جو اس تماشۂ کفر کو دیکھ کر تفریح طبع کا سامان کرتے ہیں ان کا اسلام محفوظ رہ جائے گا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان ڈراموں میں بہت سی حرکات و سکنات اور بہت سے الفاظ و کلمات ایسے آئیں گے جن کو حقیقت کے ساتھ دُور کا واسطہ بھی نہیں ہو گا۔ اس صورت میں ان مصنوعی واقعات کو حقیقی قرار دینا بدترین قسم کا جھوٹ اور افتراء ہو گا۔ جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار کہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنائے۔

بقیہ : مجلس ذکر

تیسرا کام ہے مخلوق کو خدمت سے راضی کرنا :۔

حقوق دو طرح کے ہیں حقوق العباد اور حقوق اللہ۔ انسان سے دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کے سلسلہ میں جو لغزشیں اور کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے انہیں معاف فرما دیں گے۔ مگر حقوق و فرائض جو انسانوں کے باہم ایک دوسرے پر عاید ہوتے ہیں۔ مثلاً اولاد کے ماں باپ پر، شوہر کے بیوی پر، بیوی کے شوہر پر، والدین کے اولاد پر، مزدور کے مالک پر، مالکان کے مزدوروں پر، حکمرانوں کے رعایا پر اور رعایا کے حکمرانوں پر اور اسی طرح تمام زندگی کے معاملات ہیں جہاں کہیں بھی ہمیں آپس میں ایک دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے تو جانبین پر ایک دوسرے کے کچھ نہ کچھ فرائض عاید ہو جاتے ہیں۔ پہلا کام یہ ہے کہ ان فرائض کو ادا کیا جائے اگر کسی نے دوسرے کا جائز حق ادا کرنے کے بجائے غصب کر لیا تو ان کے باہم تعلقات خوشگوار اور ایک دوسرے سے راضی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ جو شخص دوسروں کے دکھ درد میں کام آتا ہے اپنے بھائی کی تکلیف اور مصیبت کی حالت میں بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور جہاں تک ممکن ہو اس سے تعاون کرتا ہے یہ شخص سچا بھائی سچا دوست اور ساتھی ہے ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و در ماندگی ،

اور حضرت رومیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر ست

دوسروں کے دلوں کو راضی اور خوش کر دینا بہت بڑی عبادت ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان دوسروں کی خدمت کرے اور ان کے دکھ درد میں کام آئے۔

اس کے برعکس اگر کوئی بدخصلت آدمی دوسروں کے حقوق پر ڈاکے ڈالتا ہے، کمزوروں، ماتحتوں اور زیردستوں کو تکلیف پہنچاتا ہے تو جن پر وہ ظلم و زیادتی کر رہا ہے جب تک ان سے معافی مانگ کر اور اگر کسی کا نقصان کیا ہے تو معاوضہ وغیرہ دے کر جیسے بھی ہو سکے انہیں راضی نہ کر لے اور وہ دل سے اسے معاف کر کے راضی نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک وہ عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتا اور وہ شخص کہ جس سے مخلوق بھی، خالق بھی اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی راضی ہو جائیں وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی اور زیادہ سے زیادہ اپنی یاد کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین۔

بقیہ : بنات اسلام

کے ابتدائی دور کی خواتین میں سے تھیں اور نہایت جلیل القدر خاتون تھیں علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جنازہ بہت ہی اہتمام سے نکلا اور بے شمار لوگوں نے اس عظیم خاتون کے جنازہ میں شرکت کی۔ پورے بصرہ اور گرد و نواح میں ان کی وفات پر اظہار حزن و ملال کیا گیا۔ عورتوں نے اس نیک اور متقی خاتون کی وفات پر خصوصیت سے اظہار افسوس کیا کہتے ہیں وفات کے بعد ہر گھر میں ان کا افسوس کیا گیا اور سب کی زبان پر ان کی نیکی اور پاکیزگی اخلاق کا ذکر تھا۔ یہ بوڑھی عورتوں کا سہارا اور یتامیٰ و مساکین کا ملجا تھیں۔ ان کی وفات سے بصرہ کی روحانی فضا کو سخت ٹھیس پہنچی اور علم و اخلاق کی دنیا میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔

حادثہ

ہمارے دفتر کے دیرینہ سنیئر کلرک محمد رفیع صاحب کے پھوپھا حاجی عبدالعزیز آف منڈی ہیرا سنگھ ضلع ساہیوال ۵ر اکتوبر کو جنرل ہسپتال لاہور میں دوران اپریشن انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس سے قبل مرحوم کے دو اپریشن ہو چکے تھے۔ پیشاب بار بار بند ہو جانے کے سبب تیسرا اپریشن ہونے والا تھا لیکن اسی دوران مرحوم کا انتقال ہو گیا جنازہ منڈی ہیرا سنگھ میں ہوا اور مثالی۔ مرحوم بڑے نیک، مخلص اور خدا ترس انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

(ادارہ)

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں دفتر میں ضرور بھیجئے !! (مدیر)

دعوت و تبلیغ

از ، حکیم الامت تھانویؒ

قیمت : اعلیٰ آفسیٹ پیپر -/۴۰ روپے
چارسدہ نیوز -/۳۶ روپے

ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ
پوسٹ بکس نمبر ۴۳ ریلوے روڈ ملتان

حضرت تھانوی قدس سرہٗ آیت من آیات اللہ تھے ان کے وجود باجود سے مخلوق خداوندی کو بے پناہ فیض پہنچا اللہ کا بندہ تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ میں بیٹھ کر تن تنہا وہ کام کر گیا جو بڑے بڑے ادارے نہیں کر سکتے۔ تنہا آپ کے مواعظ کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ اس کی مثال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے ایسے خدام عطا فرمائے تھے جنہوں نے آپ کے مواعظ کا ایک ایک لفظ نقل کیا۔ یہ مواعظ ایک طویل عرصہ سے چھپ رہے ہیں۔ اور لاکھوں سے متجاوز لوگ ہیں جو ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ملتان کے منشی عبدالرحمٰن صاحب نے ۱۹۶۴ء میں حضرت اقدس کے مواعظ کو مجموعہ جات کی شکل میں چھاپنا شروع کیا تھا اس سلسلہ کی ۱۱ جلدیں موصوف نے شائع کی تھیں۔ پھر بوجوہ یہ سلسلہ بند ہو گیا تا آنکہ یہ کام ملتان ہی کے ایک اور ادارہ نے شروع کر دیا یہ ادارہ ہے تالیفات اشرفیہ۔ اس کے کرتا دھرتا ہیں جناب مولانا محمد اسحٰق جن کی مساعی سے محاسن اسلام نامی مجموعہ مواعظ (جلد ۱۲) اس سے قبل شائع ہو کر ایک دنیا کے قلب و نظر کی بالیدگی کا ذریعہ بن چکا ہے۔ اور اب یہ ۱۳ ویں جلد پیش خدمت ہے جس کا تعلق دعوت و تبلیغ کے اہم ترین موضوع سے ہے۔ اس میں حضرت والا کے اس موضوع سے متعلق آٹھ انتہائی اہم مواعظ شامل ہیں۔ یعنی الدعوت الی اللہ، آداب تبلیغ، تواصی بالحق، تواصی بالصبر، ضرورت تبلیغ، اتباع علماء، آداب اصلاح، الاستقامت اس مجموعہ کو قاری محمد ادریس صاحب ہوشیارپوری نے بڑے سلیقہ سے مرتب کیا ہے اور مالکان ادارہ نے بڑے خلوص، محبت قلبی جذبات کے ساتھ چھاپا ہے۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

المکتبۃ المدنیہ لاہور کی مطبوعات

المکتبۃ المدنیہ، ۱۱ر اردو بازار لاہور کی عمر زیادہ نہیں لیکن اس ادارہ نے مختصر وقت میں بڑی اہم، قیمتی اور نادر و نایاب کتابیں شائع کی ہیں ابھی حال ہی میں دو نئی کتابیں آئی ہیں ان میں سے ایک بالکل نئی ہے اور ایک پرانی۔ نئی کتاب حضرت اقدس مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری مہاجر مدینہ قدس سرہٗ کی آپ بیتی کا نمبر ۷ ہے اور پرانی کتاب حضرت مولانا محمد ادریس انصاری زید مجدھم کی میری نماز ہے ——

جہاں تک میری نماز کا تعلق ہے یہ بہت جگہ سے چھپ چکی ہے لیکن مکتبہ مدنیہ کا ایڈیشن اپنی نفاست کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے نمازوں کی اصلاح و درستگی کے لئے یہ کتاب بڑے غضب کی ہے جس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے ——

آپ بیتی جیسا کہ ہم نے عرض کیا حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کی آپ بیتی کا ساتواں نمبر ہے۔ حضرت الشیخ جنہیں ایک ہندی اہل

قلم نے نور چشمان اکابر لکھ کر ایک حقیقت کبریٰ کا اظہار کیا تو دوسرے نے برکۃ العصر کہہ کر ایک واقعاتی شہادت پیش کی — ایسے نابغہ انسان تھے جن کی مثال دنیا میں آج کے دور میں مشکل سے ملے گی حضرت قطب العصر گنگوہی قدس سرہ سے لے کر حضرت مدنی و حضرت رائے پوری قدس سرھما تک اہل قلب نظر کی تین پشتیں ایسی تھیں جن میں سے بعض تو حضرت والا کے مربی تھے تو بعض ان کے بے تکلف دوست ——— لیکن حیرت یہ ہے کہ کیا بڑے اور کیا چھوٹے ہر ایک شیخ الحدیث کو دل و جان سے چاہتا ——— اس صورتِ حال نے شیخ کو وہاں پہنچایا کہ بقول حضرت لاہوریؒ وقت آنے والا ہے کہ ہر طرف وہی ہی وہی ہوں گے (او کما قال)، حضرت الشیخ نے آپ بیتی کے عنوان سے بیتے دنوں کے عنوان سے جو یادیں لکھی ہیں، ان کا مطالعہ ہر اس انسان کے لئے ضروری ہے جو بڑا آدمی بننے کی سچی تڑپ رکھتا ہے اور اللہ کی مخلوق کے لئے اپنے وجود کو نافع بنانا چاہتا ہے۔ اس حصہ کے ۲۵۰ صفحات ہیں اور اس میں بنیادی طور پر "خانقاہی نظام" کی بحالی کے سلسلہ میں شیخ کی کوششوں کا ذکر ہے۔ حضرت الشیخ بجا طور پر محسوس فرماتے تھے کہ اہل اللہ کے ذکر و فکر کے طور و طریقوں کو اپنائے بغیر زندگی کی دوڑ میں کامیابی مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کیا کیا اور کیا کہا؟ آپ کو اس کتاب سے اس کا اندازہ ہوگا۔ کتابت و طباعت معیاری ہے ——— قیمت ...... فوراً حاصل کریں۔

اس کے ساتھ ہی مکتبہ سے تین کتابیں اور دستیاب ہیں ——— مناظرہ شیفیلڈ (۱۹۸۲ء) شیطان کا واویلا اور مناظرہ نانچیر یا پہلا رسالہ انگلستان کے اس مشہور شہر میں اہل بدعت اور اہل حق کے درمیان ایک مناظرہ کی دلچسپ روداد ہے جسے بعض اہل ذوق عزیزوں نے مرتب کیا ——— تیسرا رسالہ قادیانی امت اور مسلمانوں کے درمیان مناظرہ کی روداد ہے جس کا عنوان مرزا قادیانی آنجہانی کی زندگی تھی اور تیسرا رسالہ دیارِ یورپ میں توحید امت نامی کانفرنس کے خلاف اہل باطل و بدعت کی ژاژخائی پر دلچسپ تبصرہ ہے۔ تینوں رسالے بڑے دلچسپ اور اہم ہیں ضرور اور فوری حاصل کریں۔

روئیداد سفر حرم اور اسلامی پردہ

ہمارے محترم مولانا محمد عبدالحلیم قاسمی بڑے مزے کے بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مختلف انداز سے اپنے دین کی خدمات ان سے لے رہا ہے۔ سال گذشتہ انہیں زیارت حرمین کا موقعہ نصیب ہوا تو انہوں نے اپنے سفر کی روئیداد مرتب کر ڈالی جو دلچسپ بھی ہے اور اہم بھی۔ کہ اہم ترین مسائل بیچ میں آگئے ہیں۔ پھر یہ کہ اس سفر کی بہتری کے لئے بڑے اہم اور کارآمد مشورے ہیں گویا ایک کتاب میں کئی ضروری باتیں جن میں سے ہر ایک کا اپنا مستقل وزن ہے۔ اور ضرورت!

اس رسالہ کے ساتھ دو اور چیزیں ہیں جو بڑی معرکہ کی ہیں۔ یعنی انتہائی اہم موضوعات پر پچاس احادیث مع ترجمہ اور ضروری تشریح۔ اور پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کے خاندان پاک کا اس طرح تذکرہ ہے کہ جن اکابر کو یار لوگوں نے چھپا رکھا ہے ان سے امت کو متعارف کرایا ہے بڑا خوبصورت رسالہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مرتب کو جزائے خیر دے۔

اسلامی پردہ نام سے ظاہر ہے۔ مولانا کا پرانا مضمون ہے خاصے اضافے کے ساتھ بہترین انداز میں چھاپا گیا ہے۔ ۲/- اور ۵/- روپے میں دونوں رسالے جامعہ حنفیہ قاسمیہ گلبرگ ۲ لاہور سے دستیاب ہیں۔

ضیائے مسجد و محراب و منبر

محمد قاسم لکھنوی

ن دان و سخن سنج و سخن ور | جہاں گیر و جہاں بان و جہاں گیر
ہر برآرائے دیں، امت کے رہبر | خدا کے شیر و یاران پیمبر

ضیائے مسجد و محراب و منبر
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

یہ غمخوارانِ امت یارِ دیں تھے | نہیں شک اس میں کچھ سردارِ دیں تھے
زمانہ میں گل و گلزارِ دیں تھے | فدائے حضرتِ سرکارِ دیں تھے

ضیائے مسجد و محراب و منبر
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

انہی کی ذات سے روشن ہوا دیں | ہوا ہر چار سُو جلوہ نما دیں
جہاں میں شکلِ آئینہ بنا دیں | کہ سب دینوں سے کامل بن گیا دیں

ضیائے مسجد و محراب و منبر
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

دلوں میں کیوں نہ ہو عظمت انہی کی | ملی خدمت نبیؐ کے جانشیں کی
بجی نوبت جہاں میں ملکِ دیں کی | بچھی صف ہر جگہ ذوقِ جبیں کی

ضیائے مسجد و محراب و منبر
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

بڑھی کعبہ کی زینت اُن کے دَم سے | کھلے بخشش کے در اُن کے کرم سے
ہزاروں تشنہ لب آئے عجم سے | اڑے جامِ صداقت جامِ جم سے

ضیائے مسجد و محراب و منبر
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

یہ چاروں جان تھے دینِ نبیؐ کی | کہ طرفہ شان تھے دینِ نبیؐ کی
گہر کی کان تھے دینِ نبیؐ کی | امِ عرفان تھے دینِ نبیؐ کی

ضیائے مسجد و محراب و منبر

ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

منظور شدہ محکمہ تعلیم ۱- لاہور ریجن بذریعہ چھٹی نمبری G/۲۱۳۲۱۶۳ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چھٹی نمبری T.B.C ۲۲۷-۸۱-۲۴ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چھٹی نمبری ۲۰۷۶۷/۹/۳۹-D.D.۹ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر ۲ G.۴۰/۴۰-۱۰-۱۵۴۱ مورخہ ۳ اپریل ۶۴ء